جلد 12 شمارہ 5 مارچ 2010ء ربیع الاول 1431ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

محبت

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت و فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر : 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ

المؤمنون

نام:

سورۃ کے آغاز میں صاحب ایمان لوگوں کو فلاح ونجات کی خوشخبری دی گئی۔اس مناسبت سے اس سورۃ کا عنوان "المؤمنون" قرار دیا گیا۔

زمانہ نزول

سورۃ کے مضمون میں اس بات کی جانب اشارہ موجود ہے کہ اس سورۃ کا نزول اس دور میں ہوا جب مکہ شدید قحط کی زد میں تھا۔سیدنا عُروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایمان قبول کر چکے تھے۔

مضامین

سورۃ کے آغاز میں کامیاب وکامران لوگوں کے اوصاف اوراخلاق بطور ترغیب بیان کئے گئے ہیں۔پھر آسمان وزمین،نباتات وحیوانات اور خود حضرت انسان کی تخلیق کوعقیدۂ توحید و آخرت پر بطور گواہ بیان کیا گیا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کے ضمن میں چند باتیں سمجھانے کی کوشش کی گئی مثلاً!

1۔ تمہارا نبوت ورسالت پر اعتراض کوئی نیا نہیں۔اس قسم کے اعتراضات پہلے انبیاء پر بھی ہوئے حالانکہ تم اب ان کو اللہ کا نمائندہ اور رسول تسلیم کر رہے ہو۔

2۔ جو حقائق وعقائد اس وقت محمد کریم ﷺ پیش کر رہے ہیں،یہ وہی ہیں جو پہلے انبیاء پیش کر چکے ہیں اوران کے انکار کی بنیاد پر ان لوگوں کی تباہی کے مناظر تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔کیونکہ دین برحق صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہی ہوا کرتا ہے۔انسانوں کے اوہام جو آج مذہب کا روپ دھار چکے ہیں،یہ اللہ کی جانب سے نہیں۔

انبیاء کے واقعات کے ذیل میں ایک اور شبہے کا ازالہ کیا گیا کہ گمراہ انسان اکثر اس غلط فہمی کا

شکار ہو جاتے ہیں کہ دنیا میں دولت، طاقت اور جتھہ بندی انعامات الٰہی ہیں اور جس شخص کے پاس یہ نعمتیں موجود ہیں، وہ شخص یقینی طور پر اللہ کا محبوب و پسندیدہ ہے اور جو لوگ ان نعمتوں سے دنیا میں محروم ہیں، وہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ حالانکہ اللہ کے ہاں محبوب یا مغضوب ہونے کا مدار ایمان اور اطاعت رسول ہے۔ نیز اہل مکہ کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ قحط کی یہ صورت دراصل عذاب الٰہی ہے اور یہ تمہاری بداعمالیوں پر ایک تنبیہ ہے۔ اگر اب بھی تم لوگ راہِ راست اختیار نہ کرو گے تو سخت عذاب نازل ہوگا اور تم اس کی تاب نہ لاسکو گے۔

اس سورۃ میں نبی اکرم ﷺ کو عفو ودرگزر کی تلقین اور برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کی ہدایت کی گئی ہے اور اہل مکہ کو متنبہ کیا گیا کہ تم نے راہِ ہدایت اپنانے والوں کے ساتھ یہ ناروا سلوک جاری رکھا تو آخرت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی۔

اِس سورۃ میں ظالم، متکبر اور خاسر (نقصان اُٹھانے) کے حالات اور انجام بد کے ساتھ بلا مقصد اعمال (لغو) زنا، سرکشی اور تکذیب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں نماز، زکوٰۃ، عصمت کی حفاظت، توحید، ایفائے عہد اور امانت کی حفاظت کی عظمت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قد افلح المومنون○ الذين هم فى صلاتهم خاشعون○ الذين هم عن اللغو معرضون○ الذين هم للزكوٰة فاعلون○ والذين هم لفروجهم حفظون○ الا علـى ازواجهم او ما ملكت ايمانهم فانهم غير ملومين○ فمن ابتغى وراء ذلك فاؤلئك هم العدون○ والذين هم لا منتهم وعهدهم رعون○ والذين هم على صلوتهم يحافظون○ أولئك هم الوارثون○ الذين يرثون الفردوس۔ هم فيها خلدون○

''یقیناً فلاح حاصل کر لی ان ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، جو بے ہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے ان عورتوں کے جو ان کی ملکیت میں ہوں کہ ان پر اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھنے میں وہ

قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں تو وہ حد سے آگے بڑھنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور جو نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں (جنت) فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

(المؤمنون:1-11)

قرآن اور اور سائنس

اس کے فوراً بعد انسان کی پیدائش کے ضمن میں ایسی باتیں کہی گئیں جن کو پڑھ کر آج کی سائنس انگشت بدنداں رہ جاتی ہے کہ یہ باتیں آج سے چودہ سو سال قبل کیسے معلوم ہو گئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ثم جعلنه نطفة فى قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظم لحما ثم انشانه خلقا اخر فتبرك الله احسن الخلقين ثم انكم بعد ذلك لميتون ثم انكم يوم القيمة تبعثون

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست (رس) سے بنایا، پھر اس کو ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا۔ پھر بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے بڑا کاریگر۔ پھر اس کے بعد تم ضرور مر جاؤ گے۔ پھر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے"۔ (المؤمنون:12-16)

اہل ایمان کے اوصاف اور پہچان کے ساتھ ایسے دلائل کا ذکر تھا جو انسان کی تخلیق کے ساتھ متعلق ہیں اور ان میں تدبر کی دعوت ہے جن کو دلائل انفس کہتے ہیں اور اس کے بعد دلائل آفاق کا ذکر ہے جن میں میں ساتھ آسانوں کی تخلیق کا ذکر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ولقد خلقنا فوقكم سبع طرائق

"بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کئے"۔ (المؤمنون:17)

اِن الفاظ میں آسمانوں کی تعداد واضح طور پر مذکور ہے۔ کو آج کی سائنس یہ دعویٰ کرتی ہے کہ آسمانوں کا وجود نہیں بس ایک منتہائے نظر ہے جو رنگوں کی رنگینی ہے۔ اس کو ہم لفظ آسمان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور بس۔ لیکن قرآنِ مجید کی اس وضاحت کے بعد یہ نظریہ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے سائنس کے قدیم دعوے تھے اور پھر خود ہی سائنس نے اپنے دعوؤں کی تردید کی اور جدید نظریات پیش کر دیئے۔ اِسی طرح یقیناً ایک وقت آئے گا جب سائنس آسمان کے وجود اور اس کی تعداد کا تعین کرلے گی۔

پانی کا ذخیرہ اور راشننگ

اس کے بعد اللہ کی قدرت سے پانی کا اُترنا اور زمین کا پانی میں جذب ہو کر رنگا رنگ باغات کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے کرہ زمین پر آب رسانی کا ایسا انتظام کیا ہے کہ اگر انسان خود کرنا چاہتا تو نہ کر پاتا۔ سمندر سے کشید کر کے میٹھا پانی نکالا جاتا ہے، پھر یہ بادلوں کے ذریعے سے زمین کے جس حصے پر چاہا، برسادیا جاتا ہے۔ وہی بارش کا پانی زمین میں جذب ہو گیا یا پھر دریاؤں کی صورت میں بہنے لگا اور اسی میں سے کچھ حصہ برف کی شکل میں پہاڑوں پر گر گیا اور وہاں سینکڑوں فٹ برف کی شکل میں جمع ہو گیا۔ وہ برف گرمیوں میں پگھلنا شروع ہوئی اور تھوڑا تھوڑا پانی دریاؤں میں آنے لگا۔ پھر نہری نظام کے ذریعے مختلف علاقوں میں پہنچایا گیا۔ یوں لگتا ہے کہ پانی کے سٹاک اور راشننگ کا بڑا خوبصورت نظام رائج ہے۔ اگر اس میٹھے پانی کو کسی جگہ ذخیرہ کیا جاتا تو وہ بہت جلد خراب ہو جاتا لیکن سمندر میں پانی کو نمکین بنا کر سٹور کیا گیا کیونکہ میٹھا پانی اگر ویسے کہیں سٹور کیا جائے تو اس میں بدبو پیدا ہو جائے اور خراب ہو جائے۔ یہ ایسا انتظام ہے جو انسانی بس سے باہر ہے۔ قرآنِ مجید اس کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ یہاں پر بھی یہی ارشاد فرمایا کہ آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اُتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا۔ ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں۔ جانوروں، چوپایوں کے فوائد کا ذکر کر کے سیدنا نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر کیا گیا ہے۔

رسالت اور بشریت

ولقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یقوم اعبدوا اللّٰه مالکم من اله غیره ۔ افلا تتقون فقال الملؤا الذین کفروا من قومه ما هذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم ولو شاء اللّٰه لا نزل ملئکة ما سمعنا بهذا فی اٰبآئنا الاولین هوالا رجل به جنة فتربصوا به حتی حین قال رب انصرنی بما کذبون

''اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں؟ پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے، جو تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو فرشتے بھیجتا۔ یہ بات تو کبھی ہم نے اپنے باپ دادوں سے بھی نہیں سنی (کہ بشر رسول بن کر آئے) کچھ نہیں علاوہ اس کے کہ اس آدمی کو جنون لاحق ہو گیا ہے۔ کچھ مدت اور دیکھ لو (شاید افاقہ ہو جائے) نوحؑ نے کہا! اے میرے رب: ان لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے، اس پر تو ہی میری نصرت فرما''۔ (مومنون:23-26)

مذکورہ آیات میں وہی بات سامنے آ رہی ہے جو آج بھی فتنے کا باعث ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم کو بنیادی اعتراض ہی یہ تھا کہ یہ شخص انسانوں کی سی زندگی گزارتا ہے، بشر ہے تو رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ رسول ہوتا تو اس کے پر ہوتے، اُڑتا ہوا فرشتہ ہوتا، کھانے پینے سے اس کو غرض نہ ہوتی۔

یہاں بھی وہی بات کہی کہ اگر تم فرشتے ہوتے تو ہم فرشتوں کو بھیج دیتے۔ تم انسان ہو، اس لئے ہم نے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بات انسان کی قدیم ترین گمراہیوں میں سے ہے کہ نبوت اور بشریت کو ایک دوسرے کی ضد قرار دے دیا جائے اور اس بات پر بچگانہ اصرار کیا جائے کہ ایک بشر یا انسان کسی طرح سے بھی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ مندرجہ بالا آیات و واقعات کے علاوہ خود حضور اکرم ﷺ کے بارے میں بھی کفار کو یہ اعتراض تھا۔

مالی هذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق۔

''یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ (عام انسانوں کی سی زندگی گزارتا ہے)''۔ (الفرقان۔7)

مطلب یہ ہے کہ اگر وہ انسان و بشر ہے تو پھر رسول کس طرح ہوسکتا ہے اور اگر وہ سچ مچ رسول ہے تو پھر اسے بشر ماننے کا کیا معنیٰ؟

اِس کے بعد ایک دوسری قوم کا ذکر ہے ۔اس میں بھی آپ الفاظ پر غور کیجئے کہ **رســـولا مــنهــم** (ان میں سے ایک رسول) کاذکر ہے ۔یعنی اسی قوم کے ایک مرد کوان میں رسول بنا کر بھیجا ۔ارشادِ ربانی ہے:

ثم انشانا من بعدهم قرنا اخرین فارسلنا فیهم رسولا منهم ان اعبدوا اللّٰه مالکم من اله غیره. افلا تتقون وقال الملا من قومه الذین کفروا و کذبوا بلقاء الاخرة و اترفنهم فی الحیوة الدنیاماهذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون منه و یشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون ایعدکم انکم اذا متم و کنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون هیهات هیهات لما توعدون ان هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین ان هو الا رجل افتری علی اللّٰه کذبا وما نحن له بمومنین قال رب انصرنی بما کذبون قال عما قلیل لیصبحن ندمین فاخذتهم الصیحة بالحق فجعلنهم غثاء فبعدا للقوم الظلمین ثم انشانا من بعدهم قرونا اخرین ما تسبق من امة اجلها وما یستاخرون ثم ارسلنا رسلنا تترا کلما جاء امة رسولها کذبوه فاتبعنا بعضهم بعضا و جعلنهم احادیث فبعدا لقوم لایومنون

’’ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی، پھر ہم نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا جس نے انہیں دعوت دی کہ اللہ کی بندگی کرو ۔تمہارے لئے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ۔کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ ان کی قوم کے سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا ۔اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا ۔وہ کہنے لگے کہ یہ تم ہی جیسا آدمی ہے جو کچھ تم کھاتے ہو، وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو، وہی یہ پیتا ہے ۔اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت قبول کر لی تو تم گھاٹے ہی میں رہو گے ۔یہ تمہیں اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جاؤ گے تو اس وقت تم قبروں میں سے نکالے جاؤ گے ۔بعید

بالکل بعید ہے یہ وعدہ جو تم سے کیا جا رہا ہے ۔وہ زندگی کچھ نہیں ۔بس یہی دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہم کو مرنا اور جینا ہے اور ہم ہرگز اُٹھائے جانے والے نہیں ہیں ۔یہ شخص خدا کے نام پر محض جھوٹ گھڑ رہا ہے اور ہم اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔رسول نے کہا: اے میرے رب! ان لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے، اس پر بس تو ہی میری نصرت فرما۔جواب میں ارشاد ہوا: قریب ہے وہ وقت جب یہ اپنے کیئے پر پچھتائیں گے۔آخر کار ٹھیک ٹھیک وعدے کے مطابق ایک سخت آواز نے ان کو آ لیا اور ہم نے ان کو کچرا بنا کر پھینک دیا۔پس ظالموں پر خدا کی لعنت ہو! پھر ہم نے ان کے بعد دوسری اُمتیں پیدا کیں ۔کوئی اُمت نہ اپنے وقت سے پہلے ختم ہوئی اور نہ اس کے بعد ٹھہر سکی ۔پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے ۔جس قوم کے پاس بھی اس کا رسول آیا، اس نے اسے جھٹلایا ۔اور ہم ایک کے بعد ایک قوم کو ہلاک کرتے چلے گئے اور ان پر عذاب لاتے رہے اور ان کے افسانے بناتے رہے ۔پس لعنت ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے''۔

(المؤمنون: 31-44)

قرآن فہمی کیلئے عربی سیکھنے کی ضرورت

قرآنِ مجید کا اپنا اسلوب ہے اور اس کی اپنی زبان میں بہت زور ہے ۔اگر ہم اصل زبان میں یہ آیات پڑھیں اور مفہوم سمجھیں تو ایک وجد طاری ہو جاتا ہے ۔جب ہم ترجمہ کرتے ہیں تو 80 % اِس کی لذت ختم ہو جاتی ہے ۔میں آپ کو ایک نسخہ بتاتا ہوں، اس پر عمل کریں ۔قرآنِ مجید کا آخری نصف پارہ ترجمہ کے ساتھ زبانی یاد کریں ۔حضورِ اکرم ﷺ کی مختصر احادیث میٹھے میٹھے بول دو سو تین سو کے قریب یا جتنا بھی کر سکیں، وہ زبانی یاد کر لیں ۔ایسے ہی چند عام بول چال کے جملے بھی عربی میں یاد کریں ۔یہ ہزار ڈیڑھ ہزار جملے ہو جائیں گے ۔ان کا ذخیرہ آپ کے دماغ میں ہوگا ۔اب قرآنِ مجید کو کہیں بھی پڑھیں، آپ کی سمجھ میں آئے گا اور آپ قرآنِ مجید سے صحیح لطف اُٹھائیں گے کیونکہ اس کا صحیح مفہوم اور صحیح پیغام آپ تک پہنچے گا ۔ایک عام سی مثال سمجھیں کہ کوئی دیوان غالب پڑھے اور پنجابی میں اس کر ترجمہ کرے تو کیا بات بنے گی؟ یا ہیر وارث شاہ اُردو میں سنانے کی کوشش کرے؟ مولانا روم کی مثنوی کے کئی ترجمے ہو چکے

ہیں لیکن وہ پھیکی سی بات ہو کر رہ جاتی ہے۔قرآنِ مجید اللہ کا کلام ہے جو عربی میں ہے۔آپ اُردو پڑھیں گے تو وہ اللہ کا کلام نہیں ہو گا،وہ اس کا ایک مفہوم اور مطلب ہو گا یا اس کا عکس ہو گا،اصل نہیں ہو گا۔اس لئے کوشش کریں کہ اللہ کے کلام کو عربی میں پڑھیں۔اس کا اصل مفہوم (First hand knowledge) حاصل کریں۔

کسب حلال

پھر موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر ہے جن کے بارے میں فرعون کو یہی اعتراض تھا کہ **انومن لبشرین مثلنا** (ہم ایسے دو انسانوں پر ایمان لائیں) اس کے بعد سیدہ مریمؑ پر کئے گئے احسانات کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہم نے سارے ہی رسولوں کو ایک اہم ترین حکم دیا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

یایھا الرسول کلوا من الطیبت واعملوا صالحا۔

''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو''۔ (المؤمنون:51)

قرآنِ مجید نے کسبِ حلال پر بہت زور دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال پر اس کے خورد و نوش کے اثرات لازماً پڑتے ہیں۔ذرا غور کیجئے کہ کیا انبیاء علیہم السلام سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ناپاک یا حرام اشیاء کھائیں گے؟ نہیں اصل معاملہ یہ ہے کہ کسبِ حلال کا مسئلہ انسانی زندگی میں اس قدر اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے معصوم بندوں کو بھی ان الفاظ میں خطاب کر کے اس مسئلے کی اہمیت و نزاکت بھرپور انداز سے واضح کی ہے۔

سرِّ دیں صدقِ مقال اکلِ حلال
خلوت و جلوت تماشائے جمال

بارِ امانت اور عہد الست

محمد صدیق ڈار توحیدی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حیاتِ ارضی کا آغاز

پہلے جو کچھ بیان ہوا یہ سارا معاملہ حقیقت انسان یعنی روح کے ساتھ پیش آیا۔ تمام انسانی ارواح روز ازل ہی پیدا کر دی گئی تھیں۔ وہ جس مقام پر اکٹھی ہیں اسے روح اعظم یا روح بسیط کہا جاتا ہے۔ وہاں سے ہر روح اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس مادی دنیا میں آتی اور معین مدت گذار کر اپنے اعمال کے مطابق عالم مثال کے کسی طبقے میں قیامت تک کیلئے قیام پذیر ہو جاتی ہے۔ عالم امر کے لطیف طبقے روح بسیط سے مادی جسم کے لباس میں ظہور پذیر ہونے کیلئے انسانی روح عالم امر، عالم مثال اور عالم مادی کے بیسیوں طبقات سے گذرتی ہوئی آتی ہے اور اپنی خلقی استعداد کے مطابق ہر طبقہ سے مناسب اثرات سمیٹتی، لطیف سے کثیف اور کثیف تر ہوتی ہوئی آخر کار مادی جسم کے غلاف میں لپٹی رحم مادر سے باہر آتی اور حیات ارضی کا آغاز کرتی ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ والتین میں اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا اور پھر اسے اسفل السافلین یعنی پست سے پست حالت میں لوٹا دیا۔ اس سے وہی نکل پائیں گے جو ایمان لا کر صالح اعمال بجا لائیں گے اور ان کیلئے بے انتہا اجر ہو گا''۔ اس مادی دنیا میں انسان کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی لقاء حاصل کرے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ مادی اور نفسانی کثافتوں سے باہر نکلے۔ متاع غرور کی محبت کو چھوڑے اور رشتہ و پیوند کے بتوں کو توڑ کر قلبی طور پر صرف اللہ کا ہو کر رہ جائے۔

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

اللہ تعالیٰ کے دیدار کی بابت یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ یہ دولت ہر کسی کو اس کی خلقی استعداد اور روحانی ظرف کے مطابق ہی عطا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے تحت ہر انسان کو مختلف روحانی صلاحیت اور استعداد عطا کر رکھی ہے۔ اس نے جس طرح ہماری ظاہری صورتیں ایک دوسرے سے مختلف بنائی ہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ ایک انسان کی انگلیوں کے نشان، اس کے بالوں کی

بناوٹ اور اس کے خلیوں کی ساخت تک کسی دوسرے انسان سے نہیں ملتی۔اسی طرح ہماری روحانی صورتیں بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔ ہر انسان اپنی خلقی استعداد کے مطابق جنت کے ایک خاص مقام تک پہنچنے کیلئے مکلف ہے۔جیسا کہ فرقانِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَانُكَلِّفُ نَفْسًااِلاَّ وُسْعَهَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o (الاعراف۔42)

''اور جولوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ہم عملوں کے لئے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ایسے ہی لوگ اہل بہشت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے''

اس خاص مقام کو اس روح کا مقام محمود کہتے ہیں ہر روح جب روح بسیط سے مادی دنیا کی طرف آتی ہے تو اسے کچھ دیر کیلئے مقام محمود پر ٹھہرایا جاتا ہے تا کہ وہ اپنی منزل مقصود سے اچھی طرح آشنا ہو جائے۔اس دنیا میں آ کر اس کے لئے فلاح کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ سے کئے ہوئے عہدو پیمان کی پابندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرلے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں زندگی گزارے تا کہ اللہ کی محبت کا جوہر اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اس کا مالک اس سے راضی ہو جائے۔

مس خامے کہ دارم از محبت کیمیا سازم
کہ فردا چوں رسم پیش تو ازمن ارمغاں خواہی

''آپ نے مجھے جو خام تانبا عطا کیا تھا میں اسے محبت کے بل بوتے پر کیمیا بنا رہا ہوں تا کہ کل جب آپ کے سامنے حاضر ہونگا تو آپ پوچھیں گے کہ دنیا سے میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو''

اس عالم خاک میں اولادِ آدم کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ یک جہت اور یکرنگ نہیں ہو سکتی کیونکہ اسے نباتات اور جمادات کی طرح جبری تقدیر کا پابند نہیں بنایا گیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے آزادی عمل کا جو اختیار اسے دے رکھا ہے اس کی وجہ سے انسانوں کے اعمال میں وسیع اختلاف اور آخرت مین ان کے درجات میں عظیم فرق واقع ہوتا ہے۔قرآن کریم میں بیان کئے گئے قانون: **لَيْسَ لِلْاِنْسَانَ اِلاَّ مَاسَعٰى** (النجم۔39) کے مطابق ہر انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنی محنت اور جدوجہد کریگا اتنا ہی اس کا روحانی مرتبہ بلند اور وہ اللہ کے قریب ہوتا جائے گا۔جوانسان

دنیا میں آ کر اللہ تعالیٰ کو بھول کر ہوا و ہوس اور نفس کا غلام بن جائے گا وہ عبدالطاغوت یعنی شیطان کا بندہ قرار پائے گا اور آخرت میں جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں احدیّت کے اسرار کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

مَامِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ کُتِبَ لَهٗ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ۝

''یعنی تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانہ دوزخ اور جنت میں لکھا ہوا نہ ہو''

ان دو مقاموں کے درمیان ہی ہر انسان کے لئے سعی اور جدو جہد کا میدان ہے۔ جو انسان اس زندگی ہی میں اپنے مقام محمود پر پہنچ جاتے ہیں اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور جو جتنا اپنی منزل سے دور یعنی پیچھے رہ جائے وہ اتنا ناکام سمجھا جائے گا۔ اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ ہر انسان کے اندر اس کی روح وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے اور اس کی محبت سے بھرپور بندگی والی زندگی گذارنے کا اقرار کر کے یہاں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

(الذاریات۔20تا21)

''اور زمین میں اہل یقین کے لئے میری نشانیاں ہیں اور تمہارے اپنے نفسوں کے اندر بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں''

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما رکھا ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ ایک اصول ہے کہ صنعت سے صانع کی اور مخلوق سے خالق کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کی حقیقت کو سمجھ کر اسے اپنی خدمت میں لگائے۔ اس سے نہ صرف مادی طور پر قوت و شوکت حاصل ہوگی بلکہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کے سفر میں بھی برابر آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ مادی قوتوں کی تسخیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات اور اس کی ہر شے میں دلچسپی لے اور تمام مظاہر فطرت میں تدبر و تفکر کرے۔ اس کام کے لئے انسان کو نفس عطا کیا گیا ہے۔ نفس خواہشات کا منبع ہے اور وہ خواہشات کی تسکین کے لئے انسان کو تسخیر و تعمیر کی نئی نئی راہیں

دکھاتا رہتا ہے۔لیکن اس کی سرشت میں جو بغاوت اور شرارت ہے اس کی وجہ سے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ہٹا کر مادی خواہشات کے اندھیروں میں گم بھی کرسکتا ہے۔اس خطرے سے نمٹنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھام کر جادۂ شریعت پر چلتا رہے کیونکہ صراطِ مستقیم سے ہٹانے کیلئے قدم قدم پر شیطانوں کے کارندے یہاں موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ نے حیاتِ ارضی کے آغاز پر جو تنبیہہ اولادِ آدم کو کی اس کا ذکر قرآن کریم میں دو جگہ کیا ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ کامیابی اور سلامتی کا راستہ کونسا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o (البقرہ 38 تا 39)

''جب ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرنا۔جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے اور جنہوں نے اسے قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى o وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى o طٰہٰ۔123، 124)

''فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ۔تم میں بعض بعض کے دشمن ہونگے۔پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے''۔

ان آیات سے واضح ہوگیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایت کا اتباع کریں گے وہ ہر لحاظ سے کامیاب ہو جائیں گے اور جنہوں نے اس سے روگردانی کی انہیں قیامت کے دن اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا اور ان کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔

اپنے رب کے بندے بنو

انسان کو چاہیئے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ظاہری اور باطنی حواس کو بروئے کار لا کر اپنے رب اور اس کی ہدایت کو پہچانے اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع کر کے دنیا میں بھی امن و امان اور عزت و آبرو سے زندہ رہے اور آخرت میں بھی بلند مرتبے پائے۔ یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے کہ جو ہستی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لاتی ہے وہی اس کی مالک قرار پائے گی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ کائنات کا خالق ہے اس لئے وہی اس کا رب یا مالک ہے اور وہی اس کا الٰہ یعنی فرمارواہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینا ایمان کی بنیاد ہے۔ انسان چاہے تسلیم کرے یا نہ کرے قرآن کریم کی سورت الناس کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی رَبِّ النَّاسِ، مَلِکِ النَّاسِ اور اِلٰـهُ النَّاس ہے۔ لیکن حیات ارضی کے دوران نسل انسانی اپنے خالق کی عطا کردہ انتخاب و اختیار کی آزادی کے استعمال میں اختلاف کرتی ہے۔ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور رب مان کر صراط مستقیم پر چل پڑتا ہے اور دوسرا گروہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق ہی تسلیم نہیں کرتا اور گمراہ ہو جاتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّ مِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ° (التغابن۔2)

''وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم میں سے کسی نے نہیں مانا اور کسی نے مان لیا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے''۔

اپنے پیدا کرنے والے اللہ ہی سے انکار کرنے والے ناقدر ناشناس گروہ کی کج فہمی اور بے عقلی کا جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ایسے ناشکرے انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ° (الانفال۔55)

''جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے''۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق اور مالک نہیں مانتے وہ اپنی خواہشات کے غلام اور شیطان کے پیروکار بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ لحظہ بہ لحظہ اپنے رب سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

سورت الواقعہ میں اللہ تعالیٰ جہنمیوں کو ملنے والی سزاؤں کی تفصیل بیان کرتے کرتے ایکدم فرماتے ہیں۔ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ٥(الواقعہ۔57)''ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو تم اس حقیقت امری کو کیوں سچ نہیں سمجھتے؟''یعنی اگر تم اس بنیادی بات کو تسلیم کرلو تو تم پر ہدایت کی راہ کھل جائے اوران عذابوں سے بچ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔اس نے اولادِ آدم کی ارواح سے جوعہد الست لیاوہ بے مقصد تو نہیں ہوسکتا۔اگر چہ عام انسانوں کو شعوری طور پر اس عہد کی کوئی بات یاد نہیں ہوتی لیکن اس کے اثرات ہرانسان کے لاشعور پر ثبت ہوتے ہیں اوراس مادی دنیا میں آ کر اپنا مطاع اور محبوب تلاش کرنے کی اُمنگ اس میں ضرور اُبھرتی ہے۔یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھلی آیات کو نظر انداز کر کے غلط فیصلہ کرےاوراپنے خالق کی بجائے کسی مخلوق کو اپنا رب قراردے کراس کی محبت میں گرفتار ہوجائے۔میثاق ازل کے زیر اثر کئی دہریہ قسم کے دانشور بھی کلمہ حق کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔بڑے بڑے مغربی سائنسدانوں کا شروع ہی سے یہ موقف تھا کہ اگر یہ کائنات قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہےاور ہمیشہ رہے گی تو پھر کسی خالق کے وجود کی کوئی ضرورت اور گنجائش نہیں ہے۔اس کے برعکس اگر یہ ثابت ہوجائے کہ کائنات حادث ہے یعنی کسی وقت پیدا کی گئی ہے تو پھراس کے پیدا کرنے والی کسی ہستی کے وجود کو تسلیم کرنا ضروری ہوجائے گا۔اب جب کہ دنیا بھر کے سائنسدانوں نے یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ یہ کائنات قدیم نہیں ہے بلکہ اس کی تخلیق کی ابتدا آج سے تقریباً بارہ سے اٹھارہ ارب سال قبل ہوئی تھی۔اس طرح دہریت کا بت ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا ہے۔جان کلوور مونزما کی لکھی ہوئی ایک کتاب ''The Existance of God in the Expanding Universe'' جس کا اُردو ترجمہ'' خداموجود ہے'' کے عنوان سے دستیاب ہے میں بڑے ہی ایمان افروز بیانات درج ہیں۔اس میں ایک ماہر ریاضیات وفلکیات مرلن گرانٹ سمتھ کا بیان ہے کہ''اگر خداموجود ہے تو وہ صرف ہمارا پیدا کرنے والا ہی نہیں ہے بلکہ ہمارا مالک وآقا(یعنی رب)بھی ہے۔اس لئے ہمیں اس کے دونوں قسم کے پسندیدہ افعال واعمال کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔یعنی ان افعال کے بارے میں بھی جن کا تعلق براہ راست خدا سے ہےاوران کے بارے میں بھی جن کا

تعلق ہم جنس انسانوں سے ہے"۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عقل سلیم کے حامل ایک دانشور کے دل کی آواز دین فطرت اور شریعت سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں بھی انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت فطری انداز اور منطقی استدلال کے مطابق ہی دی جاتی ہے۔

مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں اسلوب دعوت ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (الزمر۔62)

"اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگران ہے"۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ o (الانعام۔164)

"آپ کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا رب ہے"۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ o

"یہی ہے اللہ تمہارا رب جو ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو"۔ (المومن۔62)

میثاق الست کی وجہ سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ روحانی محبت اور فطری کشش موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کی شان کی طرف متوجہ کر کے بنی نوع انسان کو اپنی عبادت کی طرف بلاتا ہے تا کہ وہ لاشعوری لگاؤ کی وجہ سے اس دعوت پر لبیک کہے۔ قرآن مجید فرقان حمید کا انداز دعوت دیکھئے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ o (البقرہ۔21)

"اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم بچ جاؤ"۔

یہ دعوت پوری نسل انسانی کو دی جا رہی ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرو جو نسل انسانی سمیت پوری کائنات کا رب ہے۔ یہاں ربکم یعنی تمہارا اپنا رب اس لئے فرمایا گیا ہے کیونکہ ہر انسان اللہ کو اپنا رب ازل ہی سے تسلیم کر چکا ہے۔ اور اس دنیا میں آ کر میثاق ازل کی

تجدید کا نام ہی ایمان ہے اور یہی اللہ کے رسولوں کی دعوت رہی ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o (الحدید۔8)

''اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اس کے رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔اور اگر تم کو باور ہو تو وہ تم سے اس کا عہد بھی لے چکا ہے''۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o (البقرہ۔28)

''تم اللہ کی ذات سے کیونکر منکر ہو سکتے ہو حالانکہ تم حالت موت میں تھے تو اس نے تم کو زندہ کیا پھر وہی تم کو موت دیگا پھر وہی تم کو زندہ کریگا پھر اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے''۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی اس کی محبت و اطاعت کی دعوت کے نظام میں میثاق ربوبیت کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔زبانی دعوت اور روحانی فیض دونوں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر عہد الست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جو محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے اسے بیدار کر کے حصول کمال کی راہ پر ڈال دیا جائے۔نزول قرآن کی پہلی وحی ہو یا انسانوں کو اللہ کی طرف بلانے کا حکم ہو یا لوگوں کا اس پر چلنے کا معاملہ ہو ہر جگہ ربوبیت کے تعلق کا حوالہ موجود نظر آتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (العلق۔1)

''اے محمد ﷺ اپنے رب کے نام سے پڑھیئے جس نے پیدا کیا''۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ o (النحل۔125)

''آپ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور پیاری پیاری نصیحت سے بلایئے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا o (المزمل۔19)

''یہ قرآن تو یاددہانی ہے سو جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے''۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و مالک مان لینے پر ہی انسان کی کامیابی کا انحصار ہے۔ایمان لا

چکنے کے بعد بھی مومن کیلئے یہ اشد ضروری ہے کہ عہد الست اس کے شعور میں ہر دم تازہ رہے جس کیلئے پنجوقتہ نماز فرض قرار دی گئی ہے۔اس اہم ترین رُکن اسلام کے قیام وقومہ اور رکوع وسجود میں بار بار اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ہی اقرار کیا جاتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اس پر قائم رہنا ہی حقیقی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ o

''جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے''۔ (الاحقاف۔13۔14)

جب انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کر لیتا ہے تو وہ اپنے نفس سمیت ہر شے کی اطاعت سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی غلامی میں داخل ہو جاتا ہے اور کائنات کی ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے اسے محبت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ذات اس کی محبت کا مرکز ہوتی ہے اور باقی ساری محبتیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نسبت سے ہوتی ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید محبت ہی کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (البقرۃ۔165)

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو شریک بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں وہ شدید محبت اللہ سے کرتے ہیں''

دین اسلام کے بنیادی عقائد انسان میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آخرت کی زندگی سے محبت کا شعور پیدا کرتے ہیں اور اس کی ساری فرض عبادات دنیا کی محبت کو چھڑانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔مومن کے دل میں جس قدر اللہ تعالیٰ کی محبت اور اخلاص ہوگا اسی نسبت سے اس کے اعمال کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت ہوگی۔گویا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اعمال کی روح کی حیثیت حاصل ہے۔

عقل ودل ونگاہ کامرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع ودیں بتکدہ تصورات

حضور سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے حبیب ہوتے ہوئے بھی اللہ سے اس کی مزید محبت طلب فرمایا کرتے تھے۔ احادیث میں طلب محبت کے ضمن میں آپ کی دو دعائیں روایت کی گئی ہیں۔ پہلی یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِي فِيْ حُبِّكَ ''یااللہ آپ مجھے اپنی محبت عطا فرماتے جائیں اور ایسے شخص کی محبت بھی جو آپ کی محبت کے حصول مین مجھے نفع پہنچائے''۔ یہاں اللہ سے اللہ کی محبت کے سلسلے میں فائدہ پہنچانے والے نیک بندوں کی محبت بھی مانگی گئی ہے کیونکہ اللہ والوں سے محبت من دون اللہ نہیں بلکہ فی سبیل اللہ ہوتی ہے۔ دوسری دُعا کے الفاظ اس طرح بیان کئے گئے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اُرْزُقْنِي حُبَّكَ وَاجْعَلْهَا اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَاَهْلِي وَمَالِيْ وَمِنْ مَّاءِ بَارِدٍ۔ ''یااللہ مجھے اپنی محبت عطا فرماتے جائیں اور اسے میرے نزدیک میری جان، اہل وعیال ، مال و دولت اور ٹھنڈے پانی سے بھی عزیز تر کردیں۔ حضور نبی رحمت ﷺ جن کے اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو ہی نہیں سکتی انکی عملی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک لحظہ کے لئے بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ آپ جب استراحت فرماتے تو صرف آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل کبھی نہ سوتا تھا۔ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت کا سامان نماز میں تھا۔ جب اذان ہوجاتی تو اللہ کی محبت کے جوش سے آپ کی کیفیت ایسے ہوجاتی گویا گھر والوں کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ دنیا اور اس کے متاع سے آپ کی بے رغبتی اور بے نیازی کا جو عالم تھا اس سے کون واقف نہیں۔ آپ فرماتے تھے دنیا میں میری حالت تو اس مسافر کی سی ہے جو کسی درخت کے نیچے آرام کرنے کی خاطر تھوڑی دیر کے لئے رک جائے۔ اس فرمان عالیشان نے دنیا کی اصل حقیقت واضح کردی ہے کہ ابدی زندگی کے مسافروں کے لئے یہ تھوڑے سے آرام اور عارضی قیام کی جگہ ہے اس لئے اپنے اصلی گھر اور دائمی ٹھکانے کی فکر کرو اور دنیا کی عارضی اور گھٹیا نعمتوں اور لذتوں پر محبت کی دولت نہ لٹاؤ۔

اللہ تعالیٰ اس کے پیارے رسول ﷺ اور اس کے مقرب بندوں سے محبت کرنے والے فقیروں کے لئے حضور ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث بہت بڑی بشارت ہے

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّهٗ (بخاری و مسلم)

یعنی انسان جس سے محبت کرتا ہے قیامت میں اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ آپ کے صحابہ کرامؓ نے اس بشارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اللہ والوں کی صحبت اور اللہ کے ذکر کی مجالس کی برکات سے مستفیض ہونے کے لئے ضرور وقت نکالا کریں تا کہ دلوں میں محبت کی شمع روشن رہے۔ (جاری ہے)

سالانہ اجتماع

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع

مورخہ 10-9۔ اپریل 2010ء

بروز جمعتہ المبارک، ہفتہ

مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں طے پا چکا ہے۔

تمام برادران ذوق و شوق سے شرکت کی تیاری کریں۔

رابطہ نمبر: 055-4005431,0300-6493335

اِسلامی تصوف کے ماٰخذ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

(مرسلہ: عثمان توحیدی)

تصوف کی اصل بلکہ اصل الاصول ، لقاء رب کی آرزو ہے۔ سالک یہ تمام مجاہدات ، ریاضات، مراقبات، اس لئے برداشت کرتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کا دیدار کر سکے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مقصدِ حیات ''دیدارِ یار'' ہے۔ یہ اصل، اِس آیت سے ماخوذ ہے۔

فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا و لا یشرک بعبادہ ربہ احدا

پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو اسے لازم ہے کہ اعمالِ صالحہ بجالائے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (۱۸۔۱۱۰)

تصوف کے عناصر ترکیبی تین ہیں۔ کامل توحید، کامل تقویٰ۔

(الف) **کامل توحید:** سارا قرآن توحید کی تعلیم سے معمور ہے بلکہ میری رائے میں قرآن کے نزول کی علت غائی ہی تلقین توحید ہے، کیونکہ قبل بعثت نبوی ﷺ ، خالص اور کامل توحید، دنیا سے مٹ چکی تھی۔ تمام اقوامِ عالم، انسان پرستی، یعنی شرک میں مبتلا تھیں۔ تبرکاً صرف ایک آیت درج کرتا ہوں۔

ھوالاول والاخر والظاھر و الباطن۔ وھو بکل شئی علیم

پس وہی ہر شے کا اول ہے اور ہر شے کا آخر ہے اور ہر شے کا ظاہر ہے اور ہر شے کا باطن ہے (یعنی وہی وہ ہے) اور وہ ہر شے کی ماہیت سے آگاہ ہے۔

(ب) درسِ توحید کے بعد سارا قرآن تاکید تقویٰ سے بھرا پڑا ہے، بلکہ یہ قرآن صرف متقی افراد ہی کیلئے ہدایت ہے، غیر متقی اس سے ہدایت یاب نہیں ہوسکتا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ متقی کو اللہ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے۔ صرف ایک آیت لکھتا ہوں۔

''ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم مُحسنون''

بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں

(ج) تصوف کا دارومدار عشق یا محبت الٰہی پر ہے یعنی محبت ہی حصول مقصود کا واحد ذریعہ ہے یا حریم ناز تک پہنچنے کیلئے بمنزلہ نردبان ہے۔

صرف دو آیتیں لکھتا ہوں۔

والذین امنوا اشد حباللّٰہ

اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل اس آیت میں فرمادی، تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

قل ان کان اباؤکم و ابناؤکم واخوانکم وازواجکم و عشیرتکم وامول اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا و مسکن ترضونھا احب الیکم من اللّٰہ ورسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہ. واللّٰہ لا یھدی القوم الفسقین

(اے رسول ﷺ) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور وہ اموال جو تم نے (بڑی محنت سے) کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم بہت عزیز رکھتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں۔ اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اسکی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری یا زیادہ محبوب ہو تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تصوف کے عناصر ترکیبی میں ربط باہمی:

تصوف کے عناصر ترکیبی میں ربط باہمی کی تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) محبت کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لئے تصوف جب انسان کو محبت کی تلقین کرتا ہے تو گویا اس کے فطری تقاضے کی تکمیل کا سامان مہیا کرتا ہے۔

(۲) چونکہ انسان اپنی کوتاہ بینی یا نادانی کی وجہ سے کسی نااہل ہستی کو بھی محبوب بنا سکتا ہے، اس لئے تصوف نے اسے آگاہ کیا۔ کہ محبوب اسے بناؤ جو (۱) جمیل بھی ہو (۲) غیر فانی بھی ہو اور

تمہاری محبت کا جواب بھی دے سکے اور ایسی ہستی صرف اللہ ہے۔

چونکہ کامل ترین ہستی صرف ایک ہی ہوسکتی ہے اس لئے تصوف توحید کی تعلیم دیتا ہے یعنی

لا الہ الا اللّٰہ

(۳) تقویٰ کا مطلب ہے یہ دیکھتے رہنا کہ ایسی کوئی بات سرزد نہ ہوجائے جس سے محبوب حقیقی ناراض ہو جائے۔لغوی اعتبار سے تقویٰ کا مفہوم محبوب کی نافرمانی سے بچنا ہے، کیونکہ نافرمانی سے محبوب ضرور ناراض ہوجائے گا۔

الغرض سالک کی زندگی انہی تین اجزا سے مرکب ہوتی ہے۔وہ محبوب حقیقی سے جو واحد لا شریک ہے محبت کرتا ہے اور ہر وقت یہ دیکھتا رہتا ہے(اسی کو مراقبہ اور محاسبہ کہتے ہیں) کہ کوئی قول یا فعل محبوب کی مرضی کے خلاف سرزد نہ ہو۔

(۴) تصوف قرب الٰہی کی تلقین کرتا ہے ہے یا صوفی ،قرب الٰہی کا خواہاں ہوتا ہے۔اس کی یہ خواہش اس آیت پر مبنی ہے۔

واسجدو اقترب (۱۹:۹۶)

اے رسول!سجدے کیے جایئے اور قرب حق حاصل کیے جایئے۔

(۵) صوفی اللہ کی طرف راغب رہتا ہے یہ تصوف رغبۃ الی اللہ کی تلقین کرتا ہے۔یہ تعلیم اِس آیت پر مبنی ہے۔

فاذا فرغت فانصب۔ والی ربک فارغب

پس اے رسول!جب آپ فرض منصبی یعنی تبلیغ اسلام سے فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کیجئے اور اپنے رب کی طرف راغب رہیے۔

پس اِسی لئے صوفی بھی اللہ ہی کو اپنا مرغوب بناتا ہے۔

(۶) تصوف کا ثمرہ معیت الٰہیہ ہے اور یہ بات بھی قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔

وھو معکم اینما کنتم (۵۷۔۴)

''اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو،،۔

یہ معیت عمومی ہے اور کافر اور مومن دونوں پر حاوی ہے۔

ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون

بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو متقی بھی ہیں اور محسن بھی ہیں۔

یہ معیت خصوصی ہے۔ کفار اس نعمت سے محروم ہیں اور اس محرومی کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔

تصوف کا دستور العمل

تصوف کا دستور العمل یا طریق جسے اصطلاح میں تزکیہ نفس کہتے ہیں قرآن ہی سے ماخوذ ہے اور تزکیہ نفس خود قرآن سے ثابت ہے۔

(الف) **ھوالذی بعث فی الامین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ ۲)**

اللہ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے آدمیوں میں ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا، جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

(ب) تزکیہ نفس کا دستور العمل سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں درج ہے۔ اس کے مطالعے سے واضح ہو جائے گا کہ صوفیا صحیح معنوں میں متبع سنت نبوی ہیں اور ان کی زندگی صحیح معنوں میں اسلامی زندگی ہے۔

یا یھا المزمل قم الیل الا قلیلا ۔ نصفہ اوانقص منہ قلیلا۔ اوزد علیہ و رتل القرآن ترتیلا۔ انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً۔ ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطاو اقوم قیلا۔ ان لک فی النھار سبحا طویلا۔ واذکر اسم ربک و تبتل الیہ تبتیلا۔ رب المشرق والمغرب لا الہ الا ھو فاتخذہ وکیلا۔ واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا۔ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ و مھلھم قلیلا(۷۳:۱تا۱۱)

لفظی ترجمہ یہ ہے: ''اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑی دیر کیلئے۔ آدھی رات یا اس میں سے بھی کم کرلیا کر یا کچھ بڑھا دیا کر۔ اور قرآن کو خوب آہستہ آہستہ پڑھا کر۔

تحقیق ہم ڈالنے والے ہیں تیرے اوپر ایک بھاری حکم کا بوجھ۔ تحقیق اُٹھنا رات کا وہ بہت سخت (موثر) ہے نفس کو کچلنے میں، اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو (یعنی اس وقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے) تحقیق تیرے لئے دن میں (بسلسلہ تبلیغ) بڑا مشغلہ رہا کرے گا۔ اور ذکر کر اپنے پروردگار کے نام کا اور اُسی کا ہو رہ سب سے ٹوٹ کر وہ پروردگار ہے مشرق اور مغرب کا۔ نہیں ہے معبود اس کے سوا۔ پس بنا لے اُسی کو اپنا کارساز۔ اور صبر کر اوپر ان باتوں کے جو (کافر) تیری نسبت کہتے ہیں اور قطع تعلق کر لے اُن سے وضع داری کے ساتھ۔ اور چھوڑ دے مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو جو خوش حال اور دولت مند ہیں (میں اُن سے بھگت لوں گا) اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے۔

میں نے قصداً لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اب ناظرین اس ترجمے کو غور سے پڑھیں انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ صوفیائے کرام نے سلوک کے تمام بنیادی اصول انہی آیات سے مستنبط کیے ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں درج کرتا ہوں۔

۱۔ شیخ طریقت سالک کو حکم دیتا ہے کہ آخر شب میں اُٹھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے "**قم الیل**" کھڑا رہا کر رات کو۔

۲۔ اُٹھ کر نماز تہجد پڑھو۔ یہ حکم اُس آیت سے ماخوذ ہے جو سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۹ میں مندرج ہے اور یہ حکم سورہ مزمل کی آیت نمبر ۳ کی شرح ہے: **ومن الیل فتھجد به نـــافـلـة لـكـ** رات کے ایک حصے میں نماز تہجد پڑھا کرو (اور نمازیں تو فرض ہیں لیکن یہ) تمہارے لئے نفلی نماز ہے۔ واضح ہو کہ یہ نماز فرض نہیں ہے مگر جو شخص قرب ایزدی کا طالب ہو اس کیلئے اشد ضروری ہے کیونکہ حضور اقدس انور ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعے سے قرب خداوندی حاصل کر سکتا ہے۔

۳۔ نماز تہجد میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے۔ **ورتـــل الـقـران ترتيلا** نہایت آہستہ آہستہ بیدا ضح طور پر قرآن پڑھ۔ اس آیت "**رتل**" کے بعد **ترتیل** کا لفظ تاکید کیلئے لایا گیا ہے یعنی بہت رُک رُک کر قرآن پڑھو تا کہ معانی میں تدبر حاصل

کرسکو، جس کا ثمرہ یہ ملے گا کہ قرآن کے معانی ذہن نشین ہوجائیں گے اور اس کی بدولت باطن میں وہ انقلاب پیدا ہوجائے گا جو مقصود تلاوت ہے، اس کا ثبوت صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے بخوبی مل سکتا ہے۔

ترتیل کے لفظی معنی ہیں الفاظ کا منہ سے درستی کے ساتھ بسہولت ادا کرنا۔آہستہ آہستہ واضح طور پر پڑھنا لیکن اس کے وہ معنی جو حضور انورﷺ کی مراد ہیں، کچھ اور ہیں جو ذیل کی حدیث سے واضح ہوسکتے ہیں۔

وقد روی الحسن ان النبیﷺ مر برجل یقرا ایۃ ویبکی ، فقال: الم تسمعوا الی قول اللہ تعالیٰ ورتل القران ترتیلا ھذا الترتیل

حضرت حسنؓ راوی ہیں کہ دن حضورﷺ ایک شخص کے پاس سے ہوکر گذرے جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ **ورتل القران ترتیلا** ترتیل۔

اِس حدیث سے ترتیل کا حقیقی مفہوم واضح ہوگیا یعنی ترتیل کا دراصل مطلب یہ ہے کہ قاری اس طرح رُک رُک کر قرآن پڑھے کہ تدبر یعنی معانی میں غور وفکر کرسکے۔اور جب وہ ایسا کرے گا تو معانی ذہن نشین ہوکر اس میں رقت کی کیفیت پیدا کردیں گے۔

۴۔ ذکر وفکر، مراقبہ، مجاہدہ، اوراد، اشغال اور جملہ لوازم سلوک سے مقصود صرف یہی ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہوجائے۔یہ مقصود اس آیت سے ثابت ہے۔

ان ناشئۃ الیل ھی اشد و طاو اقوم قیلا۔

''بیشک اُٹھنا رات کا بڑا موثر ہے نفس کو کچلنے میں اور اس وقت ذکر الٰہی دل سے بطرز احسن نکلتا ہے''۔

۵۔ شیخ طریقت، سالک کو ذکر اسم ذات کی تلقین کرتا ہے۔یہ تلقین اس حکم (آیت) سے ماخوذ ہے۔

واذکر اسم ربک (یعنی اپنے رب کے نام کو یاد کر)

۶۔ تصوف میں تبتل کی تلقین کی جاتی ہے اور یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وتبتل الیہ تبتیلا (یعنی) پورے طور سے تمام علائق مادی (دنیوی) سے قطع تعلق کر۔

یہاں پھر امر تبتل کے بعد مصدر (تبتل) لایا گیا ہے جس سے تاکید مراد ہے یعنی کامل طور سے قطع تعلق کر۔ تبتل کا مادہ بتل ہے اور بتل کہتے ہیں قینچی سے کاٹ دینے کو۔ اس لفظ کی مزید تشریح یہ ہے۔

التبتل وھو عند العرب التفرد ھو القطع ومعنی الآیۃ انفرد للّٰہ... فالتبتل المور بہ الانقطاع الی اللّٰہ باخلاص العبادۃ... والتبتل المنھی عنہ ھو سلوک مسلک النصاری فی ترک النکاح

تبتل عربی زبان میں تفرد یا قطع کو کہتے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کیلئے تفرد (مادیات سے قطع تعلق) اختیار کر۔ پس جو تبتل شریعت میں مقصود ہے یا جس کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لذات دنیاوی سے قطع نظر کی جائے اور اللہ کی عبادت خلوص دل کے ساتھ کی جائے اور جس تبتل سے شریعت نے منع کیا ہے وہ نصاریٰ کا تبتل ہے یعنی نکاح (عائلی زندگی) کو ترک کر دینا۔

خلاصہ کلام اینکہ اسلامی تصوف میں تبتل سے رہبانیت مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے لذات دنیوی سے قطع تعلق کرنا یا دنیا کو مقصود نہ بنانا، بلکہ دنیا میں رہنا مگر اُس سے دل نہ لگانا۔

۷۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنا وکیل (کارساز) بناؤ۔ صرف اُسی پر بھروسہ کرو۔ اپنی دولت، مال اولاد، جائیداد اور مادی تعلقات پر بھروسہ مت کرو۔ یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے۔ **فاتخذہ وکیلا**

۸۔ سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اغیار کے اعتراضات پر صبر کرو یعنی اگر کوئی شخص تم پر طعن و طنز کرے، اعتراض کرے، تمہیں برا کہے یا تمہاری برائی کرے تو تم اس کی جفاؤں کو خاموشی سے برداشت کرو کیونکہ اگر تم اُس سے اُلجھے تو تمہارا مقصد فوت ہو جائے گا۔ جب تم نے اللہ کو اپنا وکیل

بنالیا ہےتو وہ تمہاری طرف سے مدافعت کیلئے کافی ہے۔تم اپنا کام کیے جاؤ۔یہ حکم اِس آیت سے ماخوذ ہے: **واصبر علی مایقولون**

۹۔ سالک کو حکم دیا جاتا ہے کہ مخالفین سے کنارہ کشی اختیار کرو مگر لڑ بھڑ کر نہیں، بدکلامی کے بعد نہیں بلکہ خوبصورتی کے ساتھ۔یہ حکم اِس آیت سے ماخوذ ہے۔

واھجرھم ھجرا جمیلا سے عمدگی کے ساتھ کنارہ کش ہو جا۔

۱۰۔ سالک کو تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ تمہاری تکذیب یا تردید کر دیں تم خود اُن سے بحث مباحثہ مت کرو، کیونکہ تمہاری توجہ مقصود سے ہٹ جائے گی۔لوگوں سے اُلجھنا، مناظرہ کرنا، مقابلہ کرنا یہ سب باتیں تمہارے حق میں مضر ہیں۔یہ حکم اِس آیت سے ماخوذ ہے۔
وذرنی والمکذبین۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

یہ اسلامی تصوف کے دس بنیادی اصول ہیں اور سب کے سب قرآن کی مذکورہ بالا آیتوں سے ماخوذ ہیں بلکہ ان پر مبنی ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سورت ترتیب نزول کے اعتبار سے دوسری یا تیسری ہے اور اِس بات پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار ابد قرار ﷺ کو یہ حکم دیا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کے نفوس کا تزکیہ کرو۔کیونکہ تزکیہ نفس کے بغیر نفس مغلوب نہیں ہو سکتا اور جب تک نفس مغلوب نہ ہو کوئی مسلمان نہ جہاد فی سبیل اللہ کر سکتا ہے نہ انفاق فی سبیل اللہ کر سکتا ہے۔اور اسلام انہی دو چیزوں کا نام ہے:۔

(الف) اللہ کہتا ہے کہ اپنا مال میری راہ میں خرچ کرو۔لیکن نفس انسان سے کہتا ہے کہ اگر تم نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تو تم مفلس ہو جاؤ گے اور تمہارے متعلقین (بیوی بچے) فاقے کریں گے۔لہٰذا جب تک نفس مغلوب نہ ہو اس وقت تک کوئی مسلمان اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف نہیں کر سکتا۔

(ب) اللہ کہتا ہے کہ میری راہ میں جہاد (قتال) کرو۔نفس انسان کو ورغلاتا ہے کہ اگر تو

میدانِ جنگ میں گیا تو گمان غالب یہی ہے کہ مارا جائے گا اس صورت میں تیری بیوی اور تیرے بچے برباد ہو جائیں گے۔ پس جب تک نفس مغلوب نہ ہو کوئی مسلمان سر بکف ہو کر میدان میں نہیں آ سکتا۔

تصوف کیا ہے؟ تزکیہ نفس کا دوسرا نام ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت کے مقاصد چہار گانہ میں سے دوسرا مقصد ہے۔

ھوالذی بعث فی الامین رسولا یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اُمیوں میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث کیا جو:

(۱) انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے (۲) اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے (۳) اور انہیں کتاب (۴) اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

(جاری ہے)

دُعائے مغفرت

☆ محمد رشید منہاس صاحب (اسلام آباد) کی والدہ۔

☆ سید ادریس شاہ صاحب مرحوم (کراچی) کی زوجہ۔

☆ محمد حنیف خاں صاحب کے بیٹے کنور زبیر احمد خاں (سرگودہا)

☆ رانا نصر اللہ صاحب (گوجرانوالہ) کے والد۔

قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں

تمام برادران مرحومین کی ارواح کیلئے ایصال ثواب کریں۔

حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف الزہری

طالب الہاشمی

شعبان ۶ ہجری میں رحمت عالمﷺ کو بنو کلب کی طرف ایک مہم بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہ قبیلہ دومتہ الجندل کے قریب آباد تھا اور خاصا طاقتور تھا۔ حضورﷺ چاہتے تھے کہ اس مہم کی قیادت کسی ایسے شخص کے سپرد کی جائے جو تبلیغ کا فریضہ بھی بطریق احسن انجام دے سکے اور اگر لڑنے بھڑنے کی نوبت آئے تو اس سے بھی عہدہ برآ ہو سکے۔ اِس مقصد کیلئے حضورﷺ کی نظر انتخاب اپنے ایک ایسے جانثار پر پڑی جو آغاز بعثت سے لے کر اب تک ہر موقع پر راہِ حق میں اپنی جاں سپاری کا عملی ثبوت پیش کر چکے تھے۔ آپؐ نے ایک آدمی بھیج کر انہیں طلب فرمایا۔ تھوڑی ہی دیر میں سرخ و سپید رنگ اور طویل قامت کے ایک بارعب شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ ان کے دراز ریش اور سر پر کانوں کے نیچے تک گھونگھر دار کاکلیں ان کی وجاہت کو دوبالا کر رہی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی عرض کیا:۔

''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اس غلام کو کیسے یاد فرمایا، زہے قسمت کہ کوئی خدمت اس کے سپرد فرمائی جائے''۔

سرورِ عالمﷺ نے انہیں بڑے پیار سے اپنے سامنے بٹھایا، اِس مہم کی تفصیل سمجھائی اور پھر نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ (ان کا عمامہ کھول کر) اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا جس کا شملہ چار انگشت ان کی پشت پر چھوڑا۔ اس کے بعد انہیں سات سو مجاہدین کا قائد مقرر فرمایا اور پھر حمد و ثنا کے بعد ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے جاؤ، اللہ کی نافرمانی کرنے والوں سے لڑو۔ لیکن خیانت نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا (دشمن کی لاشوں کے ہونٹ کان ناک وغیرہ مت کاٹنا) اور نہ بچوں ہی کو قتل کرنا۔ یہ تم میں خدا کا عہد اور اس کے نبی کی سیرت ہے''۔

ان صاحب نے ارشادِ نبویﷺ کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس پر عمل کرنے کا عہد کیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ صاحبؓ جن کی دستار بندی خود سید المرسلین رحمت دو عالم فخر موجوداتﷺ نے اپنے دست مبارک سے فرمائی اور جن کو ایک اہم مہم کی قیادت کیلئے منتخب فرمایا، سیدنا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف الزہری تھے۔

سیدنا حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف آسمان فضائل کا مہر عالمتاب ہیں وہ ان دس جلیل القدر صحابہؓ میں سے ایک ہیں جن کو ساقی کوثرﷺ نے خصوصیت سے نام لے کر جنتی ہونے کی بشارت دی اور جو ''عشرہ مبشرہ'' کے مہتم بالشان لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ قریش کے خاندان ''بنوزُہرہ'' سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبدالرحمٰنؓ بن عوف عبدعوف (یا عبد جوف) بن عبد بن حارث بن زُہرہ بن کلاب بن مرہ۔

ان کا نسب چھٹی پشت میں کلاب بن مرہ پر سرور عالمﷺ کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔ حضورﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی بنو زہرہ سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب زہرہ بن کلاب پر حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔ زہرہ حضورﷺ کے جد اعلیٰ قصی بن کلاب کے بھائی تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی والدہ کا نام شفاءؓ بنت عوف (بن عبد بن حارث بن زہرہ) تھا۔ بعض روایتوں میں ان کا نام صفیہ، صفا اور ضبعیہ بھی آیا ہے۔ لیکن جمہور اہل سیر نے شفاء ہی کو ترجیح دی ہے حضرت شفاءؓ اپنے خاوند عوف بن عبدعوف کی بنت عم تھیں۔ ان کو صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے۔

بیہقیؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ رحمت عالمﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت دایہ کی خدمت حضرت شفاءؓ بنت عوف نے انجام دی۔ وہ حضرت آمنہ کی ہم جد اور قریبی رشتہ دار تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سال ولادت کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ عام الفیل کے دس برس بعد پیدا ہوئے اس لحاظ سے وہ حضورﷺ سے عمر میں دس برس چھوٹے تھے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں ان کی عمر کی نسبت جو روایت بیان کی ہے اس

کی رُو سے ان کا سال ولادت عام الفیل سے بارہ برس بعد قرار پاتا ہے۔

صحیح بخاری کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ کا جاہلی نام عبدعمرو تھا۔لیکن ابن سعدؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، بلاذُریؒ، اور حافظ ذہبیؒ نے ان کا جاہلی نام عبدا لکعبہ لکھا ہے۔حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں اور امام حاکمؒ نے ''مستدرک'' میں بیان کیا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو حضورؐ نے ان کا جاہلی نام بدل کر عبدالرحمٰن (اسلامی) نام رکھا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ کفروشرک اور فسق وفجور کا گہوارہ تھا۔لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت صالح عطا کی تھی۔حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے والد عوف تجارت پیشہ تھے ان کی خواہش تھی کہ عبدالرحمٰنؓ بھی ایک کامیاب تاجر بنیں۔چنانچہ انہوں نے اپنے نوجوان فرزند کو تجارت کے طریقے اور اسرار و رموز خوب اچھی طرح ذہن نشین کرائے اور بعض تجارتی سفروں میں اپنے ساتھ لے جا کر عملی تربیت بھی کی۔بعثت نبویﷺ سے پہلے کا ذکر ہے کہ ایک بار وہ فاکہ بن مغیرہ (حضرت خالدؓ بن ولید کے چچا) عفان (حضرت عثمان غنیؓ کے والد) اور حضرت عثمان غنیؓ کو ساتھ لے کر تجارت کیلئے یمن گئے۔راستے میں بنو جذیمہ نے عوف اور فاکہ کو قتل کر دیا۔عفان، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بچ گئے۔ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے بڑی بہادری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور اپنے باپ کے قاتل کو وہیں ختم کر دیا۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ فطری طور پر نہایت شجاع اور جانباز تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ ستائیس یا تیس برس کے پیٹے میں تھے کہ آفتاب اسلام فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور ہادی برحقﷺ منصب رسالتﷺ پر فائز ہوئے۔حضرت عبدالرحمٰنؓ کی طبعی سلامت روی اور پاکیزہ نفسی نے انہیں فوراً اسلام کی طرف مائل کر دیا اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ سے اوائل بعثت ہی میں سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ایک روایت میں ہے کہ اسلام لانے والوں میں ان کا تیرھواں نمبر تھا۔اس وقت تک سرورِ کونینﷺ دارارقم میں پناہ گزین نہیں

ہوئے تھے۔

شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی دوسرے بلاکشانِ اسلام کی طرح کفارِ مکہ کے جور و ستم کا ہدف بن گئے۔۵نبوی بعد بعثت میں سرورِ عالم ﷺ نے مظلوم صحابہ کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی تلقین فرمائی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ دس مردوں اور چار خواتین کے ہمراہ حبش چلے گئے۔اِس وقت ان کی دو بیویاں اور بچے موجود تھے لیکن وہ تنہا ہو گئے اور اہل و عیال کو اللہ کے بھروسے پر مکہ ہی میں چھوڑا۔تین چار ماہ بعد مہاجرین حبشہ نے اُڑتی اُڑتی خبر سنی کہ کفارِ مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین مفاہمت ہوگئی ہے۔یہ خبر سن کر چند مہاجرین نے حبش سے مکہ کا عزم کیا۔ان میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی شامل تھے۔مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ خبر محض افواہ تھی لیکن اب انہوں نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور ہر شخص قریش کے کسی نہ کسی بااثر سردار کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہو گیا۔علامہ بلاذُریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ اسود بن یغوث کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔

حبش سے واپس آ کر بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ اور دوسرے مسلمانوں کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا کیونکہ مشرکین قریش کے مظالم اہلِ حق پر شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے۔اس صورتِ حال کے پیشِ نظر سرورِ عالم ﷺ نے ایک بار پھر مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ حبش کی طرف ہجرت کر جائیں۔چنانچہ ۶ نبوی میں ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۸۔۱۹ عورتوں نے ایک قافلے کی صورت میں حبش کی راہ لی۔حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی اس قافلے میں شامل تھے۔یہ اصحاب کئی سال تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔اہلِ سیر کا بیان ہے کہ مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت تو بارہ برس سے زیادہ عرصے تک حبش میں مقیم رہی اور غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس آئی۔البتہ متعدد اصحاب حضور ﷺ کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مختلف اوقات میں مکہ میں واپس آ گئے۔ان واپس آنیوالوں میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی تھے۔۱۳نبوی میں سرورِ عالم ﷺ نے اپنے جانثاروں کو مدینہ منورہ کی ہجرت کا اِذن دیا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔اس طرح ان کو تین بار

ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کے مہمان ہوئے۔چند ماہ بعد سرورِ عالم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کی۔تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کا اسلامی بھائی بنایا اس مواخاۃ کے بعد حضرت سعدؓ بن ربیع نے ایثار کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی صحیح بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ۔

''ہمارے یہاں عبدالرحمٰنؓ بن عوف آئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور سعدؓ بن ربیع کے مابین مواخاۃ قائم کی وہ (سعدؓ) دولت مند آدمی تھے اُنہوں نے (عبدالرحمٰنؓ) سے کہا، تمام انصاری جانتے ہیں کہ میں نہایت دولتمند ہوں میں اپنا مال (آپ کے اور اپنے درمیان) نصف نصف بانٹ دونگا اور میری دو بیویاں ہیں آپ ان کو دیکھ لیں جو پسند آئے میں اس کو طلاق دے دوں گا۔اور جب وہ حلال ہو جائے (عدت گزار لے) آپ اس سے نکاح کر لیں۔

عبدالرحمٰنؓ نے کہا، اللہ آپ کے اہل وعیال اور مال ومنال میں برکت دے (مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں) کیا یہاں کوئی بازار ہے جہاں تجارت ہوتی ہو۔سعدؓ نے کہا، بازار قینقاع۔عبدالرحمٰنؓ صبح کو بازار گئے اور پنیر اور گھی لائے۔پھر دوسری صبح کو گئے۔اس روز جب لوٹے تو کچھ گھی اور پنیر فاضل بچا لیا تھا''۔

اس روایت سے جہاں حضرت سعدؓ بن ربیع کے عدیم المثال ایثار کا منظر دیکھنے میں آتا ہے وہاں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے استغناء اور اعتماد علی النفس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن کو تجارت کا پیشہ ورثے میں ملا تھا اور وہ اس کے طریقوں سے بخوبی واقف تھے۔اُنہوں نے مدینہ میں کاروبار شروع کیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ابن سعدؒ نے ''طبقات'' میں خود ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر میں پتھر بھی اُٹھاتا تو یہ خیال ہوتا تھا کہ اس کے نیچے چاندی یا سونا ملے گا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت شروع کرنے کے بعد جب ان کے پاس کچھ پس انداز ہو گیا تو انہوں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کی۔حضرت انسؓ فرماتے

ہیں کہ:

''چند دن بعد عبدالرحمٰن آئے تو ان کے کپڑوں پر زردی (عجلہ عروسی کی بشاشت یعنی زعفرانی رنگ) کا دھبہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، نکاح کیا ہے؟ بولے، جی ہاں۔ فرمایا، کس سے؟ جواب دیا ایک انصاری عورت سے۔ فرمایا، اس کو کتنا مہر دیا؟ عرض کیا کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔ ارشاد ہوا، ولیمہ کرو گو ایک ہی بکری ہو''۔

بخاری میں ایک انصاری خاتون کا نام مذکور نہیں البتہ بعض دوسرے ارباب سیر نے ان کا نام سہلہؓ بنت عاصم بتایا ہے جو قبیلہ بلی سے تھیں۔ یہ قبیلہ قضاعہ کی شاخ تھا اور قضاعہ کے متعلق ابن سعدؒ نے لکھا ہے۔ ''**وھم من الانصار**''

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی کئی صورتیں نکالیں ان میں وہ معاہدہ تجارت خاص طور پر قابل ذکر ہے جو ان کے اور مکہ کے رئیس اُمیہ بن خلف کے درمیان ہوا۔ صحیح بخاری میں خود ان سے روایت ہے کہ:۔

''میں نے اُمیہ بن خلف کو ایک تحریر دی کہ وہ میری مکہ میں حفاظت کرے اور میں اس کی مدینہ میں حفاظت کرونگا۔ جب میں نے **الرحمان** کر کیا تو اُمیہ کہنے لگا، میں **الرحمان** نہیں جانتا تم اپنا وہ نام لکھو جو جاہلیت میں تھا (چنانچہ) میں نے اپنا نام عبد عمرو لکھا''۔

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے دورِ مدینہ کے بعد لکھا گیا تھا اور یہ بھی کہ تجارت کے سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن ہجرت کے بعد بھی مکے آتے جاتے رہتے تھے۔ شارحین حدیث نے اس روایت سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر حق و باطل کا پہلا معرکہ پیش آیا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ اِس میں بڑے جوش و جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ ہنگامہ کارزار میں وہ دشمن کی صفوں میں سر بکف گھس گئے اور کئی مشرکوں کو گھائل کرنے کے علاوہ سائب بن ابی رفاعہ کو جہنم واصل کیا۔ صحیح بخاری میں غزوہ بدر کے سلسلے میں خود حضرت عبدالرحمٰنؓ سے دو واقعے منقول ہیں۔

ایک واقعہ یہ ہے:۔

میں بدر کے دن صف میں کھڑا تھا، مڑ کر دیکھا تو میرے دائیں بائیں جانب دو نوجوان تھے، مجھ کو ان پر اطمینان نہیں ہوا۔ اتنے میں ایک نے مجھ سے دبی زبان میں کہا، چچا ابوجہل کو دکھلا دیجیے۔ میں نے پوچھا برادرزادے کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ اسے قتل کروں گا یا اسی کوشش میں قتل ہو جاؤں گا۔ دوسرے نے بھی آہستہ سے مجھ سے یہی باتیں کہیں۔ اب مجھ کو خوشی ہوئی کہ میں کن دو آدمیوں کے درمیان کھڑا ہوں۔ میں نے اشارے سے ابوجہل کو دکھلا دیا۔ وہ دونوں باز کی طرح اس پر جھپٹ پڑے اور اس کو مار ڈالا۔ یہ دونوں عفراءؓ کے بیٹے تھے۔

جمہور اہل سیر نے لکھا ہے کہ ابوجہل کو مہلک طور پر زخمی کرنے والے نوجوان حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ تھے۔ ان کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ بنونجار سے تھا۔

دوسرا واقعہ اُمیہ بن خلف کے قتل کا ہے۔ اُمیہ مشرکین کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آیا تھا۔ جب مشرکین کو شکست ہوگئی اور انہوں نے بھاگنا شروع کیا تو اُمیہ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو دیکھ لیا چونکہ معاہدہ تجارت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ایفائے عہد کے خیال سے ان کو بچانا چاہا یہ الگ بات ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ یہ واقعہ ان کی زبانی اس طرح منقول ہے۔

''جب بدر کا دن آیا تو میں پہاڑ کی طرف چلا تا کہ اس (اُمیہ بن خلف) کی حفاظت کروں۔ اس وقت لوگ سو چکے تھے (لیکن) اس (اُمیہ) کو بلالؓ نے دیکھ لیا۔ وہ گئے اور انصار کی ایک مجلس میں کھڑے ہو کر کہا، وہ رہا اُمیہ بن خلف اس (دشمن خدا) کے چھوڑنے میں رستگاری نہیں ہے۔ انصار کی ایک جماعت نے ان کے ساتھ ہمارا تعاقب کیا مجھ کو ڈر پیدا ہوا کہ یہ لوگ ہم کو پا جائیں گے۔ میں نے اس (اُمیہ کے بیٹے) کو پیچھے چھوڑ دیا تا کہ وہ اس سے نبٹتے رہیں۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا لیکن ہمارا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ (اُمیہ) بھاری جسم کا آدمی تھا (اس لئے تیز نہیں چل سکتا تھا) جب وہ لوگ ہمارے پاس پہنچ گئے۔ میں نے اس سے کہا، بیٹھ جا، وہ بیٹھ گیا، میں

نے حفاظت کے خیال سے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا۔ان لوگوں (انصار) نے میرے نیچے سے تلواریں چلائیں اور اس کو قتل کر ڈالا۔میرے پاؤں میں بھی تلوار کا زخم لگا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے غزوہ بدر میں ایک مشرک حجاج بن الحارث کو قید بھی کیا۔

غزوہ اُحد (۳ ہجری) میں بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔ابن ہشامؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ اُنہوں نے غزوہ اُحد میں اکیس ۲۱ زخم کھائے۔پاؤں کا زخم اتنا شدید تھا کہ عمر بھر لنگڑا کر چلتے رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب لڑائی کی آگ پوری شدت سے بھڑک رہی تھی، حضرت حارثؓ بن صمہ انصاری حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے ان سے پوچھا، تم نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو دیکھا ہے۔اُنہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہﷺ وہ پہاڑ کی طرف کفار کے نرغہ میں تھے۔میں نے اُدھر جانا چاہا لیکن آپؐ پر نظر پڑ گئی اس لئے ادھر چلا آیا۔حضورﷺ نے فرمایا، عبدالرحمٰنؓ کو فرشتے بچا رہے ہیں۔اب حضرت حارثؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پاس گئے تو دیکھا کہ ان کے سامنے کافروں کی سات لاشیں پڑی ہیں۔اُنہوں نے پوچھا، کیا ان سب کو آپ نے قتل کیا ہے۔حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا۔ارطاط اور فلاں فلاں کو تو میں نے قتل کیا ہے۔ باقی مشرکین کے قاتل مجھے نظر نہیں آئے۔یہ سن کر حضرت حارثؓ پکار اُٹھے، رسول اللہﷺ نے بالکل صحیح فرمایا تھا۔ (سیر انصار)

غزوہ اُحد کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ غزوہ احزاب میں جانبازانہ شریک ہوئے۔شعبان ۶ ہجری میں سرورِ عالمﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو سات سو آدمی دے کر دومۃ الجندل کے قریب آباد قبیلہ بنو کلب کی طرف روانہ فرمایا۔چلنے سے پہلے حضورﷺ نے ان کا عمامہ کھول ڈالا اور خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا اور ان کی پشت پر چار انگشت شملہ چھوڑ کر فرمایا: "عبدالرحمٰنؓ عمامہ اس طرح باندھا کرو کیونکہ یہ عمدہ اور پسندیدہ طریقہ ہے"۔

حضرت عبدالرحمٰن نے دومۃ الجندل پہنچ کر بنو کلب کو اسلام کی دعوت دی۔ پہلے روز ان پر

کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسرے روز بھی دعوت دی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تیسرے روز انہوں پھر ان کو حق کی طرف بلایا۔ اس مرتبہ ان کے نصرانی سردار اصبغ بن عمرو کلبی پر حضرت عبدالرحمٰنؓ کی دعوت کا خاص اثر ہوا اور وہ نصرانیت کا قلادہ گردن سے اُتار کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان کے ساتھ بنو کلب کے اور بہت سے لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے سرورِ عالمﷺ کو حضرت رافعؓ بن کیمت کے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں آپ کو اصبغ کے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ اور بنو کلب سے تعلقات قائم رکھنے کے بارے میں بھی دریافت کیا۔ حضورﷺ نے (جواباً) تحریر فرمایا کہ تم اصبغ کی بیٹی سے شادی کر لو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضورﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اصبغ کی بیٹی تماضرؓ سے شادی کر لی اور ان کو رخصت کرا کے مدینے ساتھ لائے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ (مشہور راوی حدیث) حضرت تماضرؓ ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بعض اہل سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضورﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اصبغ کی بیٹی سے شادی کا مشورہ اس لئے دیا تھا۔ کہ اس طرح بنو کلب سے مسلمانوں کے تعلقات استوار ہو جائیں گے۔ اس سے پہلے قریش اور بنو کلب میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ مدینہ سے چلنے لگے تو حضورﷺ نے انہیں دوسری نصیحتوں کے علاوہ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے (یا بنو کلب دعوتِ اسلام قبول کر لیں) تو ان کے حاکم کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔ یہ روایت ابن سعدؒ نے طبقات میں اور ابن اثیرؒ نے "اُسدالغابہ" میں درج کی ہے۔ لیکن پہلی روایت جو حافظ ابن حجرؒ اور محدث دار قطنیؒ نے بیان کی ہے زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

سریہ دومۃ الجندل کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فتح مکہ سے غزوہ تبوک تک تمام غزوات میں سرورِ عالمﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضورﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ بنو جذیمہ میں تبلیغ اسلام کیلئے بھیجا۔

غزوہ تبوک کے دوران میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے شرف ومجد

میں اور اضافہ کردیا۔ صحیح مسلم میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہ:۔

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کا غزوہ کیا۔ جب آپؐ طہارت کیلئے تشریف لے گئے میں نمازِ فجر سے پہلے (پانی کا) برتن لے کر ساتھ ہوا۔ جب آپؐ واپس آئے تو میں نے برتن سے آپؐ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ آپؐ نے تین مرتبہ دونوں ہاتھ دھوئے۔ پھر منہ دھویا۔ پھر اپنے جبہ (کی آستین) چڑھانے لگے۔ آستین تنگ تھی چڑھ نہ سکی تو اندر سے ہاتھ نکالے اور دونوں ہاتھ کہنی تک دھوئے۔ پھر موزوں پر وضو (مسح) کیا۔ پھر چلے۔ میں بھی چلا۔

لوگوں نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو امام بنادیا اور انہوں نے نماز شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کو ایک رکعت ملی۔ آپؐ نے لوگوں کے ساتھ (با جماعت) دوسری رکعت پڑھی، جب عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے سلام پھیرا، رسول اللہ ﷺ اپنی نماز پوری کرنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ اب مسلمان گھبرائے اور بار بار سبحان اللہ کہنا شروع کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی تو فرمایا، تم نے خوب کیا ٹھیک کیا۔ منشاء یہ تھا کہ نماز وقت پر پڑھا کرو،،۔

''مسلم'' ہی کی ایک اسی مضمون کی دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے:۔

''مغیرہؓ کہتے ہیں، میں نے چاہا کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ہٹادوں لیکن نبی ﷺ نے فرمایا، اس کو رہنے دو''۔

مسند احمدؒ میں بھی اِسی قسم کی ایک روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ایک روز فجر کی نماز پڑھائی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس روایت میں یہ تصریح نہیں کی گئی کہ یہ کب کا واقعہ ہے۔

بعض اہل سیر نے اس واقعہ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ کے عظیم ترین فضائل میں شمار کیا ہے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ روایت جرح سے محفوظ نہیں۔

تبوک سے واپسی پر ۹ ہجری میں ذی قعدہ کے آخر یا ذوالحجہ کے شروع مہینہ میں سرورِ عالم ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس قافلے کے امیر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اس کے نقیب تھے۔ قربانی کے لیے بیس

اونٹ قافلے کے ساتھ تھے۔اس قافلے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی شامل تھے۔عہد رسالت میں یہ مسلمانوں کا پہلا حج تھا۔جسے قرآن کریم نے حجِ اکبر کا نام دیا ہے۔اِس میں حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو حج کے صحیح طریقے بتائے اور سکھائے اور قربانی کے دن کھڑے ہوکر اسلام کا خطبہ پڑھا۔حضرت علیؓ نے سورہ برات کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں۔جن میں کافروں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کرنے کا اعلان تھا۔اس موقع پر منادی کی گئی کہ اب سے کسی مشرک کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ کوئی برہنہ ہوکر حج کرسکے گا۔

۱۰ہجری میں رحمت عالمﷺ حجۃ الوداع کیلئے مکہ معظمہ تشریف لے گئےتو حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔

حجۃ الوداع سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد (صفر ۱۱ ہجری میں) سرورِ عالمﷺ کی علالت کا آغاز ہوا۔طبرانیؒ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے روایت کی ہے کہ حضورﷺ کی وفات سے کچھ پہلے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم لوگوں کو وصیت فرمایئے۔آپؐ نے فرمایا، میں تم کو ان مہاجرین کے بارے میں (حسن سلوک) کی وصیت کرتا ہوں، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے کسی نفل اور فرض کو قبول نہ کرے گا۔

ربیع الاول ۱۱ہجری میں سرورِ عالمﷺ کے وصال کے بعد سقیفہ بنوساعدہ میں خلافت کا قضیہ پیش آیا تو بعض روایات کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے اور اس مسئلے کو حل کرنے میں پوری سرگرمی سے حصہ لیا کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا یا کم از کم وہ اولین بیعت کرنے والوں میں تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سریرآرائے خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے اِس مہم کی تکمیل کی طرف توجہ کی جس پر حضورﷺ اپنی وفات سے پہلے حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو مامور فرما چکے تھے۔ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت اُسامہ کو رُخصت کرنے پڑاؤ پر تشریف لے گئے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔صدیق اکبرؓ، حضرت اُسامہؓ کی

سواری کے ساتھ پیادہ پا چل رہے تھے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان کی سواری کی مہار تھام رکھی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی اور وہ اکثر اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ۱۱ہجری میں صدیقِؓ اکبر نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو امیر الحج بنا کر مکہ معظّمہ بھیجا۔ ۱۲ہجری میں امیر الحج کون تھے؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق اس سال بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ امیر الحج تھے۔ طبری کا بیان ہے کہ ۱۳ہجری میں اپنی وفات سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا جانشین نامزد کرنا چاہا تو سب سے پہلے اس معاملے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بلاتکلف عرض کیا کہ عمرؓ بلاشبہ اس منصب کے اہل ہیں لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ ''وہ اس لئے سخت تھے کہ میں نرم تھا۔ جب ان پر خلافت کی ذمہ داری پڑے گی تو خود بخود نرم ہو جائیں گے''۔

حضرت عمر فاروقؓ بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بہت مانتے تھے جب وہ مسند نشین خلافت ہوئے تو اپنے دورِ خلافت میں آنے والے پہلے حج پر خود نہ جا سکے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ (۱۳ہجری) اس کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو مجلس شوریٰ کا مستقل رُکن بنایا۔ عہد فاروقی کے متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نہایت مخلص اور صائب الرائے مشیر خلافت ثابت ہوئے۔

۱۴ہجری میں جب عراقِ عرب پر باقاعدہ لشکر کشی کا فیصلہ کیا گیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے تمام عرب سے مجاہدین کو طلب کیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں شوقِ جہاد سے سرشار مجاہدین کا ایک عظیم لشکر جمع ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ فاروق نے اکابر صحابہؓ سے فرمایا۔

''میرا ارادہ ہے کہ اس لشکر کے ساتھ خود جاؤں۔ میری غیر حاضری میں علیؓ خلافت کا کاروبار چلائیں گے۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف میرے ساتھ ہوں گے۔ طلحہؓ مقدمۃ الجیش کے افسر ہوں گے اور میمنہ و میسرہ کی قیادت زبیرؓ اور عبدالرحمٰنؓ کریں گے''۔

عام مجاہدین کو امیر المومنینؓ کے ارادے کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان سے اختلاف کیا اور کہا۔

''اے امیر المومنین! آپ یہیں ٹھہریئے اور لشکر کو بھیج دیجئے اگر خدانخواستہ آپ میدانِ جنگ میں کام آئے یا آپ کی موجودگی میں لشکر کو شکست ہوئی تو مسلمانوں کو سخت دھچکا لگے گا اور اسلام کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اگر آپ کی غیر موجودگی میں کوئی انہونی بات ہوئی تو آپ یہاں سے اس کا مداوا کر سکیں گے''۔

دوسرے اکابر صحابہؓ نے بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ کی تائید کی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اس اہم مہم کی قیادت کس کے سپرد کی جائے۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دفعتاً اُٹھ کر کہا، ''میں نے پالیا، میں نے پالیا''۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا، کون؟ بولے سعدؓ بن مالک (ابی وقاص) امیر المومنینؓ اور دوسرے تمام سربرآوردہ اصحاب نے ان کے انتخاب سے اتفاق کیا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اس مہتمم بالشان مہم کی قیادت پر مامور ہوئے بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی رائے کس قدر صحیح اور صائب تھی۔ واقدی اور طبری کا بیان ہے۔ کہ جنگ یرموک کے موقع پر جب رومیوں کی زبردست جنگی تیاریوں کی اطلاعات مدینے پہنچیں تو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ انہوں نے مجلس شوریٰ میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوکر کہا: ''امیر المومنین! آپ خود سپہ سالار بنیں اور مجھے ساتھ لے چلیں۔ اگر خدانخواستہ ہمارے بھائیوں کو کوئی ضرر پہنچا تو پھر جینا بیکار ہے''۔ لیکن دوسرے اکابر صحابہؓ نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور یہی صلاح ٹھہری کہ امدادی فوجیں روانہ کی جائیں۔

نہاوند کی مشہور لڑائی سے پہلے جب حضرت عمر فاروقؓ نے اہل الرائے صحابہ سے مشورہ کیا تو بقول طبری حضرت عبدالرحمٰنؓ نے رائے دی کہ امیر المومنین کو موقع جنگ پر نہیں جانا چاہیے۔

معرکہ نہاوند کو عراق عجم کی فیصلہ کن لڑائی کہا جاتا ہے۔ اِسی لئے عربوں نے اس کو ''فتح الفتوح'' کا نام دیا ہے اس لڑائی میں مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ جب مال غنیمت کی سینکڑوں گٹھڑیاں مدینہ منورہ لائی گئیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں مسجد نبوی میں رکھنے کا حکم دیا اور ان

پر خاص خاص صحابہ کا پہرہ مقرر کیا۔طبری کا بیان ہے کہ ان میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی شامل تھے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ شرکت جہاد کی نیت سے ایک دو مرتبہ شام تشریف لے گئے۔طبری نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور عیسائیوں کے درمیان جابیہ کے مقام پر جو معاہدہ لکھا گیا اس پر گواہ کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بھی دستخط کیے۔طاعونِ عمواس (۱۸ ہجری) کے زمانے میں بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ شام میں موجود تھے جب حضرت عمر فاروقؓ دورہ کرتے ہوئے سرغ کے مقام پر پہنچے تو انہیں اطلاع ملی کہ شام میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔حضرت عمرؓ وہاں سے واپس جانا چاہتے تھے لیکن حضرت ابوعبیدہؓ کو ان کی رائے سے اختلاف تھا۔اس موقع پر یہ مسئلہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حل کیا۔اس سلسلے میں صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

''عبدالرحمٰنؓ بن عوف آئے وہ بعض ضرورتوں کی وجہ سے کہیں گئے ہوئے تھے۔بولے میرے پاس اس (مسئلہ) کے متعلق علم ہے۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے، جب تم اس (طاعون) کو کسی زمین (علاقے) میں سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی زمین (علاقے) میں ہو اور وہاں وبا پھوٹ پڑے تو اس سے بھاگ کر نہ نکلو۔

یہ حدیث پاک سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ''خدا کا شکر ہے! پلٹ چلو'' چنانچہ لوگوں کو لے کر وہاں سے واپس ہوئے۔سالم بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی مراجعت کی وجہ صرف حضرت عبدالرحمٰنؓ کی روایت کردہ حدیث تھی۔(جاری ہے)

حیرت انگیز سائنسی انکشافات

انجینئر سلطان محمود بشیر (ستارہ امتیاز)

قوانین قدرت اٹل ہیں

آئن سٹائن جدید سائنس کا باوائے آدم سمجھا جاتا ہے۔ 1904 میں اس نے یہ معرکہ آراء بات دریافت کی کہ زمان و مکاں میں ہر جگہ ہر وقت ایک ہی قانونِ فطرت ہیں، ہماری زمین ہو یا کائنات کا دوسرا سرا، سائنسی قوانین میں کسی جگہ فرق نہیں۔ اگر زمین پر روشنی کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے تو کسی بھی اور جگہ یہی رفتار ہوگی۔ یعنی قانونِ خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں۔ آئن سٹائن کو اس دریافت پر جتنی بھی مبارک دی جائے کم ہے لیکن اس قرآن کے بارے میں کیا کہو گے جس نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے بتا دیا کہ رب العالمین کے اصول اٹل ہیں **لا تبدیل لکلمت اللہ**(10) ۔اللہ کی بات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

آئن سٹائن کی نسبتی تھیوری (Theory of Relativity) سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز کسی قانون کے مطابق اور ایک مقررہ پروگرام کے مطابق چل رہی ہے۔ سائنس کے اس بنیادی اصول کو قرآن کریم نے صدیوں پہلے ان الفاظ میں بیان فرمادیا۔

ما خلقنا السموت والارض وما بینھما الا بالحق واجل مسمی۔

ہم نے آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان نہیں پیدا کیا کسی چیز کو مگر اصول حق کے ساتھ اور ایک مقرر وقت کیلئے۔ (سورۃ الاحقاف ۴۶۔آیت ۳)

کائنات کے متعلق سائنسی قوانین کی آئن سٹائن کی ان عظیم دریافتوں کے نتیجہ میں مشہور سویڈش سائنسدان نیل بوہر نے 1930ء میں کوانٹم مکینک (Quantum Mechanics) کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ روشنی کے فوٹون چھلانگوں میں سفر کرتے ہیں، نئی چیزوں کا ظہور ارتقائی نہیں بلکہ اچانک وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں تغیر بھی اچانک چھلانگیں یعنی (Quantum Jump) سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نیل بوہر کی اس دریافت سے قرآن حکیم نے صدیوں پہلے بتا دیا تھا کہ ہر تخلیقی امر ارتقائی نہیں بلکہ ''کن'' سے شروع ہوتا ہے۔

''وما امرنا الا واحدة كلمح بالبصر''(القمر آیت50)یعنی ہمارا حکم امر واحد ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔(50)54 اور مزید واضح کر دیا۔''بے شک اللہ تعالیٰ جب کوئی بھی کام کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے''۔ (82)36

کائنات کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس کا دارومدار چند ایک مخصوص نمبروں پر ہے جنہیں سائنس میں فطری عدد(Constants of Nature) کا نام دیا گیا ہے۔کہیں بھی ہوں، کیسے بھی حالات میں ہوں یہ فطری عدد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مقرر شدہ ہیں۔اگر ان میں ذرہ بھر بھی تفاوت آ جائے تو کائنات کا سارا کا سارا نظام بکھر جائے مثلاً کشش ثقل،ایٹم کے اندر مقناطیسی طاقت کی نسبت کئی گنا کمزور ہے اگر یہ تھوڑا سا بھی زیادہ ہوتی تو کائنات کب کی ختم ہوگئی ہوتی،اگر تھوڑا سا کم ہوتی تو ابھی تک فضا دھوئیں سے بھری ہوتی۔اسی طرح اگر ایٹم کے اندر الیکٹران کا چارج پروٹون کی نسبت اربواں حصہ بھی کم ہوتا تو کوئی حیواناتی اور نباتاتی زندگی ممکن نہ ہوتی، نہ ہم ہوتے اور نہ کوئی اور ہوتا۔یعنی کائنات کا سارا نظام پہلے سے مقرر شدہ مخصوص اعداد (Constants of Nature) پر چل رہا ہے۔یہی بات 14 صدیاں پہلے عرب کے صحراؤں میں وحی کی زبان میں کی گئی تھی **و کل امر مستقر** ''ہر امر مقرر شدہ ہے''(3)54

اور مزید ارشاد ہوا۔**سبح اسم ربک الاعلیٰ الذی خلق فسوّیٰ والذی قدر فھدیٰ** ''اپنے رب کے نام کے گن گاؤ جو سب سے اعلیٰ ہے،جس نے یہ سب کچھ پہلی بار پیدا کیا، پھر اسے سنوارنے اور ہر چیز کا حساب مقرر کیا اور سب کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا''۔(سورۃ اعلیٰ آیت 1-3)سورۃ الملک کی آیت مبارک 3 اور 4 میں تمام انسانوں بشمول سائنسدانوں کو چیلنج کیا گیا ہے۔

ماتریٰ فی خلق الرحمن من تفوت ۔ فارجع البصر لا ھل تریٰ من فطور o ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسا وھو حسیر

''کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی کمی دیکھتا ہے؟ نگاہ اُٹھا کر دیکھ، کیا تجھے کوئی نقص نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ پلٹا، بلاشبہ تیری نظر پلٹ آئے گی تیری طرف حیرت زدہ اور عاجز ہوکر (تجھے کوئی کمی نظر نہیں آئیگی)''۔

کیا ساری کائنات کے بارے میں ایسی زبردست حتمی باتیں 1400 سال پہلے حضرت محمد ﷺ خود سے کہہ سکتے تھے؟ پھر بھی وہ قرآن کو نہیں مانتے ؟ افسوس!

زمان ومکاں کا نسبتی نظریہ

ڈاکٹر آئن سٹائن نے سب سے پہلے وقت کی نسبت (Relativity of Time) کا نظریہ پیش کیا۔ لیکن قرآن پاک ان سے بہت پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وقت کا انحصار شاہد (Observer) پر ہے، کسی کا دن ہمارے ہزار برس کے مطابق ہے اور کسی کا پچاس ہزار برس ہمارے ایک دن کے برابر اور کسی پر دن ہمیشگی کا بھی ہوسکتا ہے۔

(حوالہ آیت 47 سورہ الحج، سورہ العنکبوت آیت 14، سورہ السجدہ آیت 5)

کائنات کا سکڑاؤ

جیسے پہلے کہا جا چکا ہے کہ سائنس اب قرآن کریم کی اس بات کو بھی تسلیم کرتی ہے کہ کائنات کا انجام اس کی فنا ہے جس کا نتیجہ میں ایک نئی کائنات پیدا کی جائیگی۔ یہ کیسے ہوگا؟ اس بارے سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مستقبل میں کائنات کے پھیلاؤ کا عمل رُک جائیگا جسکے بعد یہ سکڑنے لگے گی اور پھر ایک دھماکہ سے دوبارہ پیدا ہوگی۔ اس دھماکہ کا نام بگ امپلوژن (Big Implosion) رکھا گیا ہے۔ سائنسدانوں کیلئے یہ بات حیران کن ہوگی کہ قرآن کریم نے ان سے صدیوں پہلے کائنات کے آغاز اور انجام کے متعلق اعلان کردیا تھا **یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب۔ کما بدانا اول خلق نعیدہ۔ وعدا علینا۔ انا کنا فعلین** دن آنیوالا ہے جب ہم یقیناً کائنات کو لپیٹنے والے ہیں، جیسے ایک طومار (Scroll) کو لپیٹا جاتا ہے۔ ایسے ہی ہم نے اسکی تخلیق کا پہلے آغاز کیا تھا اور اب پھر سے ہم کرنے والے ہیں یہ لازمی وعدہ ہے ہمارا جو ہو کر رہے گا"۔ (سورہ الانبیاء ۲۱۔ آیت مبارکہ ۱۰۴) سبحان اللہ

پوشیدہ مادہ (The Hidden Matter)

جہاں تک یہ سوال کہ پھیلتی ہوئی کائنات کیسے رُکے گی سائنسدان اس بارے کائنات میں غیبی مادے (Hidden Matter) کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ اپنی کشش ثقل کی بناء پر غیبی مادہ پھیلاؤ کی قوت کے خلاف کام کرتا ہے۔ جب کبھی مخالف قوت بڑھ جائیگی تو پھیلاؤ رُک جائیگا، جو اس کی قیامت کا باعث ہوگا۔ سائنسدانوں کیلئے یہ بات اچنبھا ہوگی کہ قیامت کے حوالہ سے

قرآن کریم بھی غیبی مادے کی بات کرتا ہے فرمایا۔ **وللہ غیب السموت والارض ۔ وما امر الساعۃ الا کلمح البصر او ھو اقرب۔ ان اللہ علی کل شیء قدیر**(16:77)

''اللہ ہی کیلئے آسمانوں اور زمین کا غیب ہے اور قیامت کا وقت ایسا ہے جیسے ایک پلک جھپکنا یا اس سے بھی کم، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (77)16 ایک ہی آیت میں **غیب السموت والارض** اور قیامت کا ذکر یہ واضح کرتا ہے کہ قیامت کی وجہ مادہ غیب ہوگی''۔

کائنات گھوم رہی ہے

بیسویں صدری سائنس کی ایک اور شاندار دریافت یہ ہے کہ کائنات میں ہر چیز گھوم رہی ہے۔ کہکشائیں اور کائناتی دنیائیں اپنے اپنے مدار پر چکر کاٹ رہی ہیں۔ ستاروں کے اردگرد ان کے سیارے اپنے اپنے مدار میں چکر لگا رہے ہیں۔ کہکشاؤں میں ستاروں کے جھرمٹ اپنی اپنی منزلوں پر گامزن ہیں۔ سورج فضا میں ایک مقررہ راستے پر پچھلے پانچ ارب سال سے چھ سومیل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے مدار پر بھاگا جا رہا ہے۔ کائناتی دنیاؤں کا تو کیا کہنا، بالکل انہی کی طرح ایٹم کے مرکز (Nucleous) کے اردگرد الیکٹران گھوم رہے ہیں۔ ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب جدید سائنس کا کوئی وجود نہیں تھا لوگ ستاروں کو آسمان کی چھت سے لٹکے ہوئے روشنی کے دیئے سمجھتے تھے اس وقت قرآن کریم اعلان کرتا ہے **والشمس تجری لمستقرلھا** یعنی ''سورج اپنے مقرر شدہ راستے پر ہمیشہ سے بھاگا چلا جا رہا ہے'' (سورۃ یٰسین)۔ سورج اور چاند کے بارے میں بتاتا ہے **والشمس والقمر بحسبان** یعنی سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ کام کر رہے ہیں'' ۔(سورۃ الرحمٰن)۔ یہ کہ حرکت اور گھماؤ کائنات کی ہر چیز کی فطرت میں لکھا جا چکا ہے، اس عظیم سائنسی دریافت کے متعلق بھی قرآن کریم اپنے انوکھے اسلوب میں اعلان کرتا ہے کہ ''**والسماء ذات الرجع**(86:11) یعنی ''کائنات (کی ہر چیز) کی فطرت میں گھومنا ہے'' لہٰذا یہ قانون خداوندی ہے کہ ایٹم ہو یا اس سے چھوٹے ذرات، کہکشائیں ہوں یا ٹوٹل کائنات اپنے اپنے مدار پر گھومنا ان کے ڈیزائن کا حصہ ہے۔ سبحان اللہ قرآن کریم نے اتنی بڑی بات کو کس خوبی سے چند الفاظ میں بیان فرما دیا۔

جوڑوں میں تخلیق کا قانون

مشہور برٹش سائنسدان ڈیراق (Deraq) نے 1933ء میں یہ بہت بڑی

بات دریافت کی کہ کائنات میں مادہ منفی اور مثبت (Particle and antiparticles) جوڑوں پر مشتمل ہے جو آغاز کائنات میں برابر برابر ظہور میں آیا۔ پری بگ بینگ سے پہلے صفر والی حالت تھی۔ پھر اچانک یہ صفر برابر تعداد میں مثبت اور منفی ذرات میں تقسیم ہو گیا۔ یوں منفی اور مثبت کائنات لاوجود سے وجود میں آ گئی۔ ڈیراق نے مادہ کے منفی اور مثبت جوڑوں کی دریافت پر نوبل انعام حاصل کیا۔

ڈیراق کی اس دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ جوڑوں کا یہ قانون ہر مقام پر کام کر رہا ہے۔ اگر ایکشن ہے تو ری ایکشن بھی ساتھ ساتھ ہو گا، منفی کے ساتھ مثبت لازمی ہے۔ اگر ایک ستارہ دریافت ہوتا ہے تو اس کا جڑواں بھائی بھی کہیں ہونا چاہیے۔ ایٹم کے الیکٹران کے ساتھ پروٹون بھی ہو گا، قوارق اور لیپٹان کے جوڑے بھی ساتھ ساتھ ہونگے۔ انسان کے خون میں سرخ اور سفید خلیات، x اور y کروموسومز، نباتات میں میل (Male) اور فی میل (Female) کے جوڑے بھی ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔

یوں سائنس جوڑوں میں تخلیق کا نظام ہر جگہ دیکھ رہی ہے۔ لیکن سائنسدانوں کیلئے یہ بات قابل غور رہونی چاہیے کہ جوڑوں کی تخلیق کی بات ڈیراق سے چودہ سو سال پہلے قرآن حکیم نے ہی بتائی تھی۔ فرمایا: "**ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون** ہر ایک چیز میں ہم نے جوڑے بنائے شاید تم غور کرو اور نصیحت حاصل کرو"۔ (49)51۔ اور پھر سورۃ یٰسین میں فرمایا: "**سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون**" (36)36 "پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان چیزوں میں جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان کی ذات میں اور ان چیزوں میں جنہیں وہ جانتے بھی نہیں"۔ یہ آیت اس بات کی بھی دلالت کرتی ہے کہ ابھی انسان نے جوڑوں کے قانون کے مطابق بہت کچھ اور بھی دریافت کرنا ہے۔

پہاڑ زمین کی میخیں

اُنیسویں صدی میں سائنس نے پہاڑوں کے بارے میں معلوم کیا کہ یہ زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ ان کی جڑیں ہیں جو ان کی بلندی سے بھی زیادہ گہری ہوسکتی ہیں اور ان کا ایک مقصد سطح زمین پر توازن قائم رکھنا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں بھی سب سے پہلے بتا دیا تھا کہ

پہاڑ زمین میں کیلوں (Nails) کی طرح گڑے ہوئے ہیں۔فرمایا **الم نجعل الارض مھدا والجبال اوتادا** سورۃ النباء آیت ۷۔۶) "کیا ہم نے زمین کو مانند فرش اور پہاڑوں کو اس میں مانند کیل نہیں بنایا"۔کیا خوبصورت مثال ہے۔اب جا کر معلوم ہوا ہے کہ پہاڑوں کی جڑیں زمین میں ان کی بلندی سے بھی زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔

زمین پر فضائی حفاظتی حصار

بیسویں صدی میں سائنس نے یہ بہت اہم دریافت کی کہ زمین کے اوپر تہہ در تہہ حفاظتی حصار (Protective Layer) کا سلسلہ ہے جو ہمارے لئے ایک چھت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ فضائی چھت آسمانوں کی طرف سے گرنے والے میٹرائٹ (Meteriots) اور خطرناک شعاعوں کو زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی روک لیتی ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین پر کسی طرح کی زندگی بھی ناممکن ہوتی۔ بلکہ یہ بھی سورج کے خاندان کے دیگر سیاروں کی مانند ایک مردہ چٹیل میدان ہوتی۔ یہ چھت سات کروں پر مشتمل ہے جن میں اہم ترین ہوائی کرہ، مقناطیسی کرہ، اوزون کرہ شامل ہیں۔ان کے بغیر بیرونی دنیا سے آنے والی خطرناک شعاعیں اور ذرات ہمیں بھون کر رکھ دیتے۔سبحان اللہ قرآن کریم نے صدیوں پہلے بتایا **وجعلنا السماء سقفا محفوظا** اور ہم نے آسمان مانند ایک محفوظ چھت کے بنایا۔(32)21 اور پھر سورۃ الانبیاء کی آیت 12 میں وضاحت فرمائی کہ یہ چھت سات مضبوط طبقات پر مشتمل ہے۔**و بنینا فوقکم سبعا شدادا** "اور ہم نے تمہارے اوپر سات نہایت مضبوط رکاوٹیں (Barrier) بنائی ہیں۔ (سورۃ النباء آیت ۱۲)۔سائنس کا یہ کمال ہے کہ بیسویں صدی کی تحقیقات کے نتیجے میں ان سات مضبوط رکاوٹوں کی حقیقت کو تفصیل سے سمجھا گیا ہے۔افسوس ان لوگوں پر جو پھر بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم وحی الٰہی نہیں۔

حرارت کا دوسرا قانون

حرارت کا دوسرا قانون 2nd Law of Termodynamics سائنس کا بنیادی قانون ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ہر چیز مسلسل اپنی موت کی طرف بڑھ رہی ہے، نظام (Order) خود بخود بے نظامی (Disorder) میں بدلتا جاتا ہے۔اگر روکا نہ جائے تو وقت

کے ساتھ ساتھ ہر توازن (Stability) فساد (Unstability) کی نظر ہو جائیگا، اگر بیرونی عوامل کی مدد سے اصلاح نہ ہوتی رہے تو ہر چیز سویر یا بدیر تباہ و برباد ہو جائیگی اس لئے کہ خرابی (Entropy) مسلسل عمل ہے۔

یقیناً کائنات کو سمجھنے کیلئے سائنس کی یہ ایک قابل فخر دریافت ہے۔لیکن سائنسدان کیلئے یہ بات چونکا دینے والی ہے کہ قرآن کریم نے ان سے بہت پہلے دنیا کو یہ اصول دیا کہ ثبات صرف اللہ کی ذات پاک کیلئے ہے باقی سب کچھ مٹ جانے والے ہے۔فرمایا: **کل من علیھا فان** (سورہ الرحمٰن آیت۔۲۶) یعنی کائنات میں ہر چیز بلا استثنا فنا ہو جانے والی ہے۔(**الا ماشاء اللہ** مگر جو اللہ چاہے)۔

ماحول کی حفاظت

پچھلی چند صدیوں سے صنعتی اور سائنسی ترقی کو استعمال کرتے ہوئے یورپی اور امریکی اقوام نے جس بے رحمی سے زمینی ماحول کو نقصان پہنچایا ہے اب اس سے انسان کی اپنی بقاء خطرہ میں پڑ گئی ہے۔ہزاروں قسم کی نباتاتی اور حیوانی زندگی ناپید ہو چکی ہے۔ماحول کی اس قدر خرابی کے بعد اب جا کر دنیا میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ زمینی ماحول کو خراب ہونے سے بچایا جائے ورنہ زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔افسوس کہ انسانیت نے قرآن مجید کو نظر انداز کر رکھا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے 1400ء سال پہلے انسان کو وارننگ (Warning) دی تھی۔**ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ۔ ذلکم خیر لکم ان کنتم مؤمنین** 7(85)

''اب جبکہ زمین کی اصلاح ہو چکی ہے اس میں فساد برپا نہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اگر تم ایمان والے ہو'' 7(85) یعنی زمین میں موجود توازن کو خراب مت کرو۔اور یہی حکم سورۃ البقرہ آیت 11، سورۃ الاعراف آیت 56 میں بھی دیا گیا ہے۔'' **ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفا و طمعا ان رحمت اللہ قریب من المحسنین**

زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس (اللہ) سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت طلب کرتے ہوئے (اصلاح کیلئے) دُعا کرو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔7(56) اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماحول کو خراب کرنا نہ صرف ایک ظلم ہے بلکہ ایک

بہت بڑا جرم بھی ہے جس کی سزا سے ماسوائے اللہ کے اور کوئی نہیں بچا سکتا۔

سمندروں کے اندر برزخی حصار

سائنس نے پچھلی صدی میں گہرے سمندروں پر تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر میٹھے اور کھارے پانی کے دریا، ٹھنڈے اور گرم پانی کی انہار ساتھ ساتھ بہتی ہیں۔لیکن پھر بھی جدا جدا ہیں ۔ یہ بات سائنسدانوں کیلئے حیران کن ہوگی کہ انکی ان دریافتوں سے بہت پہلے کتاب اللہ میں یہ بتایا جا چکا تھا۔ **مرج البحرین یلتقین o بینهما برزخ لا یبغین o** (سورۃ الرحمٰن آیت ۱۹،۲۰) یعنی (اللہ تعالیٰ نے سمندروں میں) رواں کئے ہیں دو دریا جو پاس پاس ہیں، ان کے درمیان ایک پردہ ہے کہ وہ آپس میں ملتے نہیں۔آج سے کچھ عرصہ پہلے قرآن کے طالبعلم کیلئے اس آیہ پاک کو سمجھنا مشکل تھا لیکن جدید بحری تحقیقات نے یہ مشکل آسان کر دی ہے۔معلوم ہوا ہے کہ سمندروں کی گہرائیوں میں میٹھے اور نمکین پانی، گرم اور ٹھنڈے پانی کے دریا باوجود اس کے کہ ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں آپس میں کچھ غیبی رکاوٹوں کی وجہ سے اپنا وجود علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں۔

سمندر کی گہرائیوں میں اندھیرا

پروفیسر درگاراؤ دنیا کے جانے پہچانے ماہر بحری ارضیات ہیں اور وہ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ (سعودی عرب) میں پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔ان سے درج ذیل آیت مبارکہ پر تبصرہ کرنے کیلئے کہا گیا۔

او کظلمت فی بحر لجی یغشه موج من فوقه موج من فوقه سحاب۔ ظلمت بعضها فوق بعض اذا اخرج یده لم یکد یرئها ۔ ومن لم یجعل اللّٰه له نورا فماله من نورo (سورۃ النور آیت 40)

"یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے، اس کے اوپر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے۔آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے۔اللہ تعالیٰ جسے نور نہ بخشے اس کیلئے پھر کوئی نور نہیں"۔

پروفیسر راؤ نے کہا کہ سائنس دان صرف حال ہی میں جدید آلات کی مدد سے یہ تصدیق

کرنے کے قابل ہوئے ہیں کہ سمندر کی گہرائیوں میں تاریکی ہوتی ہے۔ یہ انسان کے بس سے باہر ہے کہ وہ 20 یا 30 میٹر سے زیادہ گہرائی میں اضافی سازوسامان اور آلات سے لیس ہوئے بغیر غوطہ لگا سکے۔ علاوہ ازیں، انسانی جسم میں اتنی قوت برداشت نہیں کہ جو 200 میٹر سے زیادہ گہرائی میں پڑنے والے آبی دباؤ کا سامنا کرتے ہوئے زندہ بھی رہ سکے۔ یہ آیت مبارک تمام سمندروں کی طرف اشارہ نہیں کرتی کیونکہ ہر سمندر کو پرت در پرت تاریکی کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ یہ آیت مبارک بطور خاص گہرے سمندروں کی جانب متوجہ کرتی ہے کیونکہ قرآن پاک کی اس آیت میں بھی ''وسیع اور گہرے سمندر کی تاریکی'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔

عام روشنی کی ایک شعاع سات رنگوں سے مل کر بنتی ہے۔ یہ سات رنگ بالترتیب بنفشی، کاسنی، نیلا، سبز، پیلا، نارنجی، سرخ (Vibgyor) ہیں۔ روشنی کی شعاع جب پانی میں داخل ہوتی ہے تو انعطاف (Refraction) کے عمل سے گزرتی ہے۔ اوپر کے دس سے پندرہ میٹر کے دوران پانی میں سرخ رنگ جذب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی غوطہ خور پانی میں پچیس میٹر کی گہرائی تک جا پہنچے اور زخمی ہو جائے تو وہ اپنے خون میں سرخی نہیں دیکھ پائے گا کیونکہ سرخ رنگ کی روشنی اتنی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی طرح 30 سے 50 میٹر تک کی گہرائی آتے آتے نارنجی (اورنج) روشنی بھی مکمل طور پر جذب ہو جاتی ہے پیلی روشنی 50 سے 110 میٹر تک، سبز روشنی 100 سے 200 میٹر تک، نیلی روشنی 200 میٹر سے کچھ زیادہ تک جب کہ کاسنی اور بنفشی روشنی اس سے بھی کچھ زیادہ گہرائی تک پہنچتے پہنچتے مکمل طور پر جذب ہو جاتی ہے، پانی میں رنگوں کے اس طرح ترتیب وار غائب ہونے کی وجہ سے سمندر بھی تہہ در تہہ کر کے تاریک ہوتا چلا جاتا ہے، یعنی اندھیرے کا ظہور بھی روشنی کی پرتوں (Layers) کی شکل میں ہوتا ہے۔ 1000 میٹر سے زیادہ کی گہرائی میں مکمل اندھیرا ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

کمال معرفت اور صحبت اولیاء

صوفی عارف سہیل نقشبندی

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذی اصطفٰی اما بعد۔

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کیلئے ہیں جس نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ان میں سب سے اعلیٰ مخلوق حضرت انسان کو پیدا فرمایا اور انسانوں میں افضل حضرات انبیاء علیہ السلام اور پھر اِسکے بعد انبیاء علیہ السلام میں بھی اولوالعزم پیغمبر پیدا فرمائے اور سب کے آخر میں حضور اقدس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیدا فرما کر حضرت انسان پر احسان عظیم فرمایا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے بعد تابعین اور تبع تابعین حضرات اس دنیا میں پیدا فرمائے اور اب آخر روز قیامت تک اپنے مقربین پیدا فرماتے رہیں گے۔

پھر اِن مقربین نے لوگوں کے دلوں کو پاک ''تزکیہ'' کیا اور مخلوقات پر غور و فکر سے یقین کی بنیاد کو مضبوط راسخ کیا، اِن بزرگوں نے مخلوق کے وجود کو خالق کیلئے دلیل بنا کر اس کا علم حاصل کیا اور **لا الـہ الا اللّٰہ ھو** کی تحقیق بہم پہنچائی ۔ذات خداوندی کی توحید کے قائل ہوئے اور اسکی عظمت وجلال فضیلت وکمال کا شاہدہ کر کے اس کو ہر قسم کی دوئی وشرک سے پاک جانا۔

کائنات عالم میں سوچ بچار کر کے یہ حضرات اِس نتیجے پر پہنچے کہ درحقیقت اللہ رب العزت ہی کی ذات بابرکت تمام حالات میں عدل وانصاف کے ساتھ اس عالم پر قائم و دائم ہے ۔وہی حکیم ہے جس کا کوئی فعل حکمت ومصلحت سے خالی نہیں وہی قادر مطلق ہے دنیا کی کوئی شے اسکے اختیار سے خارج نہیں۔

اللہ رب العزت کی معرفت ہی دنیاو آخرت کی تمام بھلائیوں کی جڑ ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ مفسر قرآن آیت **وما خـلـقـت الجن والانـس الا لیعبدون** میں فرماتے ہیں۔ کہ اصل میں **لیعرفون** ہے ۔یعنی نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں مگر اپنی معرفت کیلئے۔

اللہ رب العزت کی صحیح معرفت کا راستہ اور اسکی حقیقی عظمت کا تصور اسکی مخلوقات میں زیادہ سے زیادہ غور وفکر اسکی مصنوعات میں بیش از بیش سوچ و بچار اور اس کی طرح طرح کی پیدا کردہ کائنات پر گہری نظر ڈالنے سے نصیب ہوتا ہے عجیب عجیب مصلحتوں اور حکمتوں کے راز و اسرار

دل پر منکشف ہوتے ہیں اور ان انکشافات سے دل میں یقین ایمانی جڑ پکڑتا ہے پھر یہ یقین بقدر تقویٰ مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے کئی جگہ پر قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ میری نشانیوں میں غور کرو۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کیسے اونٹ پیدا کیے اور آسمان کو کیسے بلند کیا اور پہاڑوں کو کیسے نصب کیا اور زمین کو کیسے بچھایا۔

هل انظر و ماذا فی السموت والارض

''اوران سے کہیے کہ دیکھیں آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے''۔

وجعلنا من الماء کل شی حیی افلا یومنون۔

''ہم نے ہر شے کو پانی سے زندہ کیا کیا یہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے''۔

اور اس طرح بہت سی آیات قرآنیہ ہیں جن سے حق تعالیٰ کی معرفت بڑھتی ہے اور پھر اسی معرفت سے وہ سعادت و نیک بختی نصیب ہوتی ہے۔ جس کا وعدہ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کیلئے فرمایا ہے۔

اللہ رب العزت کی معرفت بھی ہماری ناقص عقلوں کی رسائی کی حد تک ہے ورنہ اگر ساری دنیا اور اس کی تمام مخلوقات خداوندی بھی مل جائے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلمیں بن جائیں تو بھی اسکی تعریف (معرفت) نہیں کر سکتے اس سے وہ قطعاً عاجز و قاصر ہیں پس اللہ تعالیٰ نے جس قدر علم بخشا ہے اور اسکے حصے میں ازل سے جو آ گیا ہے اسکی اسی قدر وہ بیان کر سکتا ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو سارے عالم پر شرف بخشا اور پوری دنیا پر اس کو بزرگی عطا فرمائی۔

ولقد کرمنا بنی آدم و حملنا هم فی البر والبحر ورزقنهم من الطیبت و فضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔)

''یعنی البتہ ہم نے عزت دی بنی آدم کو اور سوار کیا انکو خشکی اور تری میں اور پاکیزہ رزق دیا ہم

نے اُنکو اور بزرگی بخشی ہم نے ان کو ہماری بہت سی مخلوق پر۔
یہ عزت انسان کو عقل کے طفیل ملی اسی وجہ سے وہ بہائم سے ممتاز ہوا اور ملائکہ سے جاملا۔ مخلوقات عالم کو دیکھ کر اس نے خالق کائنات کا پتہ لگایا، یا خود اپنی ذات پر نظر ڈال کر ذات خداوندی کا سراغ لگایا۔

وفی انفسکم افلا یبصرون(ذاریات)

''یعنی خود تمہارے نفسوں میں کیا تم نہیں دیکھتے''۔

عقل سے انسان نے اپنی ذات میں حکمت باری تعالیٰ کو سمجھا مگر حیرت کہ خود عقل کو نہ سمجھ سکا یہ حقیقت بھی ذات خداوندی کے وجود پر دلیل ہے کہ انسان عقل کے وجود پر یقین رکھتا ہے لیکن اسکے وصف سے عاجز ہے۔

اِسی سے تمام کام کرتا ہے مگر اسکی پوری کیفیت سے قطعی جاہل ہے۔طرح طرح کے علم سیکھتا ہے معرفت خداوندی حاصل کرتا ہے حکمت کے راز حل کرتا ہے۔نفع و نقصان میں فرق کرتا ہے۔ لیکن اس کی آنکھ عقل کو نہیں دیکھتی، کان اسکو نہیں سنتے، ہاتھ اس کو نہیں چھوتے، ناک اس کو نہیں سونگھتی، زبان اس کو نہیں چکھتی۔

اللہ رب العزت انسان میں اسکی طبیعت کے موافق خواہش کو وجود بخشتا ہے۔اور خواہشات کا منبع انسان کا نفس ہے اور اگر اس نے اپنے نفس کو اپنی غلط خواہش کے مطابق پورا کیا اور اپنے اختیار کو خواہش کے ہاتھوں بیچ دیا تو وہ معرفت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور آخرت میں عذاب کا نشانہ بنے گا۔

انسان اِس مادی دنیا میں آ کر ایسا گم ہوا کہ اپنا راستہ ہی بھول گیا اپنی حقیقت کو نہ پہچان سکا کہ میں کس لئے دنیا میں آیا اور کیا کر رہا ہوں؟ اور کیا ہوگا؟۔

اب چونکہ انبیاء کرامؑ کا خاتمہ تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کے بعد ختم ہو گیا اب کوئی قیامت تک پیغمبر نہیں آئے گا۔(**انا خاتم النبین لا نبی بعدی**) آپ کی تعلیمات اور تزکیہ، تصفیہ بذریعہ اولیاء اللہ قیامت تک چلے گا۔

صحبت صالح ترا صالح کند
محبت طالع ترا طالع کند

ایک اور جگہ کسی صاحب نظر نے یوں کہا ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''نیک لوگوں کی صحبت سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے''۔

اور حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ نیک لوگوں کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت نہیں ہوسکتا۔ ان کی صحبت فیض سے لوگوں کے دل منور ہوتے اور آہستہ آہستہ وہ معرفت حقیقی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ اِن اولیاء کی صحبت میں لوگوں کے دل دنیا سے بیزار ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی صحبت سے علم الٰہیات، اللہ رب العزت کی صحیح معرفت پہچان نصیب ہوتی ہے، اللہ اپنے علم سے علم اور اپنے حلم سے حلم عطا کرتا ہے۔

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی صحبت میں تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے قطع ماسویٰ اللہ حاصل ہوتا ہے ان کے قلوب اللہ کی معرفت سے آشنا ہوتے ہیں وہ دنیا سے توڑ کر اللہ رب العزت سے جوڑتے ہیں، جن لوگوں کو یہ نعمت ملی ہے ایسے لوگوں کی صحبت سے یہ نعمت ملی ہے۔

آج کے پرفتن دور میں بھی اللہ رب العزت کے پیارے دوست اولیاء اللہ موجود ہیں لیکن تلاش اور سچی طلب اور محبت الٰہی کی جستجو رکھنے والے دل ہی اسکی پہچان کر سکتے ہیں تھوڑے لوگ ہی رہ گئے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں ایک آیت کا مفہوم ہے کہ ''سچوں کے ساتھ ہو جاؤ'' (**وکونو مع الصادقین**) سچے لوگ قیامت تک رہیں گے۔ ایسے سچے لوگ اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت سے استدعا ہے کہ ہمیں ایسے لوگوں سے اِس دنیا اور آخرت میں ان لوگوں کا ساتھ نصیب فرمائے، قیامت کے دن ہر آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ دنیا میں تھا۔

المرء مع من احبّہٗ آدمی جسکے ساتھ محبت کرتا ہے قیامت کے دن اِسی کے ساتھ ہوگا۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

سفر نامہ کروایشیاء (قسط نمبر 10)

طارق محمود

☆او شرابی چھوڑ دے پینا:۔

یہاں اشیائے خوردونوش کی دکانیں اتنی نہیں جتنی تعداد شراب خانوں (Bars) کی ہے۔ ہفتے کے پانچ دن تو کسی کو پی کر بہکتے نہیں دیکھا۔ ویک اینڈ کے دو دن البتہ کچھ اُجڈ غل غپاڑہ بھی کرتے دیکھے جاسکتے ہیں۔لیکن بیشتر کو معقولیت کی حدود میں دیکھا۔ پینے کا طریقہ بھی یقیناً اثر انداز ہوتا ہوگا اور ماحول بھی۔ اگر چہ یہ لوگ اس شعر کو سمجھتے نہیں لیکن اس پر عمل پیرا ضرور ہیں۔

یہ مے ہے حضرتِ واعظ اسے ایک دم نہیں پیتے
حضور آہستہ آہستہ جناب آہستہ آہستہ

ایک بوتل شراب کو سامنے رکھے گھنٹوں گپ شپ لگاتے ہیں میکدے رات گئے تک آباد رہتے ہیں۔ پینے والے بھی شاید صاحب ظرف ہیں جو کم ظرفی کے الزام میں میکدے سے نکالے نہیں جاتے۔

ایک دن جاوید صاحب کے ہاں نشست تھی۔ صابری برادران کی مشہور قوالی ''او شرابی۔ چھوڑ دے پینا'' چند دن سے ہی جاوید کو اپنے ذخیرے کی تلاش کے دوران ملی تھی اور سبھی اسکو سن کر محظوظ ہو رہے تھے۔ اٹھتے اٹھتے دیر ہوگئی۔

ٹرام سٹاپ پر کھڑے ایک شخص سے پوچھ بیٹھے کہ یہ آنے والی ٹرام ہرگ بانا جائے گی؟ اس نے بتایا کہ جائے گی۔ اسی اثنا میں ایک بھیم شحیم شخص نے ہمارا سوال سن کر اختلاف کیا کہ سنٹر تک جانیکے لئے ٹرام بدلنا ہوگی۔ خیر یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہ تھا لیکن اس شخص نے جو زائد از ضرورت دلچسپی لے رہا تھا، کہا کہ میں ڈرائیور سے پوچھ کر آتا ہوں۔ منع بھی کیا اسکو اس زحمتِ ناحق سے لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ ڈگ بھرتا گیا اور معلومات لے کر لہراتا ہوا واپس آ گیا۔ کچھ تفاخر اور فاتحانہ سے انداز میں اس نے پہلے والے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے ترگ بانا تک جانیکا روٹ بتایا اور یہ بھی کہا کہ وہ بھی اسی طرف جا رہا ہے اس لئے اس کے ساتھ ہی اگلے سٹاپ پر اتر

چلیں ۔اتنے میں انڈیا اور کروشیا کی آبادی کا تقابل کرتے ہوئے بے معنی گفتگو کے ساتھ جھوم جھوم کر ہنسنا شروع کر دیا۔اس کی غیر معمولی اور غیر ضروری تواضع سے تو شک ہو ہی چکا تھا کہ اُم الخبائث اپنا اثر دکھا رہی ہے ۔اب یقین ہوگیا۔اگلے سٹاپ پر اترے تو ہم نے یہ سوچتے ہوئے اس فتنے سے پیچھا چھڑانا لازم ہے،تیز تیز چلنا شروع کیا ایک سمت کو۔وہ بھی آواز دیتا ہوا بلائے بے درماں کی طرح بڑھتا آ رہا تھا۔ہم نے اسے بتایا کہ ہم کوراستے کا اندازہ ہے اور ہم چلے جائیں گے۔اس پر وہ بگڑ کر بولا

You know every thing then why you asked from me. You were wasting my time. I will ------------- kill you------- I--------will kill you------

کوئی آلہ قتل اسکے ہاتھ میں موجود نہ تھا اس لئے اس کی دھمکی نے زیادہ پریشان نہ کیا البتہ اس بے وقت شور شرابے سے چھٹکارا پانے کیلئے ہم نے اسکی خرافات کو نظر انداز کرتے ہوئے البتہ راستہ بدل کر چلنا شروع کر دیا۔کچھ دور جا کر ایک ٹرام نزدیک آئی اور ہم نے اس میں بیٹھنے کا ارادہ کیا تو وہ مردود، دروازے سے گردن نکال کر آوازیں دینے لگا۔معلوم نہیں کہ ٹرام کی طرف بلا رہا تھا یا کچھ نامناسب کلمات سے نواز رہا تھا کیونکہ ہم نے اسکی مرضی کے مطابق Behave نہ کر کے اسکے سرور میں خلل ڈالا تھا۔

کچھ دیر پہلے سنی ہوئی قوالی کے تناظر میں اس شرابی کی حرکات سے ہم بہت محظوظ ہوئے ۔

شراب کا آغاز ہی ''شر'' سے ہوتا ہے اس لئے اس سے خیر کی توقع عبث ہے ۔

☆افسردہ دل افسردہ کند-----۔

واپسی سے پہلے حضرت دبراوکو سے ایک باضابطہ اور بھرپور ملاقات پروگرام میں شامل تھی۔ سکول کی چھٹیوں کے دوران اسے آنے کی دعوت دے رکھی تھی۔جس کے نتیجہ میں جولائی کے وسطی ویک اینڈ پر اس نے اپنے آنے کی اطلاع دی۔ہفتہ کی شام اسکی آمد ہوئی۔جاوید صاحب اور میں نے اسے ریلوے سٹیشن پر خوش آمدید کہا اور اپارٹمنٹ آ کر اہتمام سے تیار کردہ کھانا

شروع کیا۔

دیراوکو کی معمول کی شگفتگی اس دفعہ عنقا تھی اس کی وجہ کا کچھ اشارہ وہ دو دن پہلے ایک فون میں دے چکا تھا۔ دوران طعام اس نے جاوید صاحب سے کچھ سوال و جواب کا سلسلہ شروع کر دیا جو ماحول کو لطیف بنانے کی بجائے کچھ سنگین بنا رہا تھا۔ وجہ اسکی، پوچھے جانے سوالوں کے موضوع اور جاوید صاحب کی ذاتی کیفیت کو ہی قرار دینا پڑے گا۔ میں نے گفتگو کے اس حصے کو کسی کھلی فضا میں نشست تک اٹھا دینے کو کہا اور یوں ہم کچھ دیر بعد ترگ بانا جا کر ایک مقام پر بیٹھے۔

دیراوکو، جاوید صاحب کے دس سالہ قیام کی روشنی میں، یہاں کی سوسائٹی کے بارے میں کچھ مثبت رائے سننے بلکہ انکے متاثر ہونے کے بارے میں کچھ سننا چاہ رہا تھا جبکہ جاوید صاحب سے توقع اس بات کی، کرنا اس کی خام خیالی تھی۔

دوران گفتگو بیشتر یہ دونوں حضرات کروشین میں محو تبادلہ خیال رہے۔ میں تو گاہے بگاہے جاوید صاحب سے ترجمہ کروا کر شامل رہنے کی کوشش کرتا رہا اور شامل رہا بھی لیکن اشتیاق کی حالت دیدنی تھی۔ موضوع گفتگو کو انکی افتاد طبع سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ اس لئے انکے پاس خاموش رہنے اور جمائیاں لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

میرے بار بار مداخلت کرنے کے باوجود دیراوکو نے کروشین میں بات کی روشنی تبدیل نہ کی۔ میرے موضوعات سے اکتاہٹ کے باوجود گفتگو اسی نوعیت کے موضوع پر چلتی رہی اور رات کا پچھلا پہر شروع ہو گیا۔ اشتیاق کے احتجاج پر دیراوکو نے سپاٹ لہجے میں کہا کہ چونکہ یہ سارا وقت انہوں نے خاموش رہ کر اور گفتگو میں حصہ نہ لے کر اپنا استحقاق کھو دیا ہے۔ اسلئے اب انکو موضوع پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اس دوران شاید وہ کچھ نتائج بھی اس رابطے کے بارے میں نکالتا رہا۔ صبح ساڑھے تین بجے میں نے پیمانہ صبر لبریز ہونے پر اٹھتے ہوئے مجلس کو برخاست ہونے پر مجبور کیا۔ اپارٹمنٹ آ کر میں تو سو گیا البتہ دیراوکو نے اشتیاق کو ازدواجی زندگی میں تنوع پیدا کرنے کیلئے کچھ صدری نسخے تلقین کئے یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلسلہ جسمانیہ کے معاملات کیلئے اشتیاق موجود تھے اور سلسلہ عقلیہ کے بارے میں گفتگو مجھے پسند تھی اس طرح یہ دونوں پہلو

ہم دونوں کی Specialization بن گئے۔

میں نے اتوار کو پروگرام بنانا چاہا Opatia وغیرہ جانے کا (جو کہ دیراوکو کی آمد کی وجہ سے گذشتہ روز سے ملتوی کرنا پڑا تھا) لیکن رات دیر تک جاگنے کا عذر معقول کر کے اشتیاق نے اسے پروان نہ چڑھنے دیا اور نان ٹوٹی قریبی جھیل Jarun جا کر نہانے پر۔

دوپہر کو دیراوکو اپنے کسی دوست سے ملنے چلا گیا۔ میں نے سو کر خود کو تازہ دم کیا۔ ساڑھے چار اٹھا تو دیراوکو کی حالت دیدنی تھی۔

☆غنچہ دیگر بہ شگفت:۔

دوست کے ہاں سے ناکام لوٹ کر دیراوکو نے کہیں اشتیاق سے کہہ دیا ماتھے کے مساج کیلئے، لطف آنے پر اس نے زیادہ قوت صرف کرنے کو کہا۔ یہ وہی رائج الوقت طریقہ تھا جس میں پیشانی کی درمیان جلد کو چٹکی میں لے کر چھوڑا جاتا ہے۔ زیادہ زور لگانے پر چٹکی میں آیا ہوا ماس، خون جم جانے کی وجہ سے سرخ سا ہو گیا۔ اب اس کو کسی پل چین نہ آ رہا تھا۔ وجہ اس کی کوئی تکلیف نہ تھی بلکہ بقول اسکے اس طرح کا نشان پیشانی پر ہونا متصور کیا جاتا کسی یسوع مسیح کے نشان یافتہ پادری کیلئے اور اب اس حالت میں وہ کہیں باہر نہیں جا سکتا ورنہ لوگ اسے بھی نشان یافتہ پادری سمجھ کر انکے لئے دعا کرنے کو کہیں گے۔

میں نے کہا یہ تو اعزاز کی بات ٹھہری جیسے ہمارے ہاں محراب کا نشان کثرت عبادت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن دیراوکو کے بقول اس کی پریشانی ہماری سمجھ سے بالاتر تھی۔

کبھی وہ ماتھے پر برف کی ٹکور کرتا، کبھی زخم پر لگانے والی پٹی (Sunny plast) لگا کر اس نشان کو چھپانے کی کوشش کرتا کچھ دیر تک اس کو سمجھایا بجھایا کہ بھائی! یہ Bizovac نہیں ہے۔ یہاں کوئی کسی کو دیکھنے کا تکلف نہیں کرتا بغیر کسی واسطے کے لیکن اس کا سیاپا جاری رہا۔ میں نے اسکو اشتیاق کے سپرد کیا اور خود منظر سے اوجھل ہو گیا۔ بالآخر آدھ پون گھنٹے کی تالیف قلب کے بعد اشتیاق نے اسے Jarun جانے پر قائل کر لیا میں نے پلاسٹک کا گدا ساتھ لے لیا اور تینوں سوئے جھیل چلے ٹرام سٹاپ میں نے اشتیاق سے اردو میں ٹرام کے نمبر کی بات کی تو دیراوکو نے کہا

کہ یہ Fair نہیں ہے اور ہم کو اس کی موجودگی میں مشترکہ زبان میں بات کرنا چاہیئے ۔میں نے کہا کہ اس اصول کا اطلاق رات کو بھی ہونا چاہیئے تھا جب ہم نے بار بار کہا بھی تھا۔

طوفان باد و باراں :۔ ابھی نہانا شروع کئے تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ متوقع بارش کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔نہانا موقوف کیا اور کپڑے پہن کر قریبی ریسٹورنٹ میں پناہ لی ۔بارش میں شدت آتی گئی ساتھ بے تحاشہ گرج چمک ۔اتنی شدت کا طوفان باد و باراں یہاں پہلی مرتبہ دیکھا۔ٹھنڈ بڑھنے پر ہوٹل میں اندر جا کر بیٹھے اور کافی کا آرڈر دیا۔

موسیقی سننے کا ذوق یہاں اکثریت کا یوں تکلیف دہ ہے کہ آواز بے حد اُونچی رکھتے ہیں ۔کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ۔لیکن ان لوگوں کو نچلے سروں میں کوئی لطف نہیں آتا ۔میں نے آخری پندرہ منٹ بارش کے منظر کو Enjoy کرنے کیلئے ہوٹل والوں سے درخواست کی کہ تھوڑی دیر کیلئے والیوم کم کردیں ۔دیراؤ کو نے شاید اس بات کو بھی اپنے کلچر اور عادات کے بارے میں ناپسندیدگی تصور کیا ۔اور اس نے تبصرہ کیا کہ انسان کو جیسا دیس ویسا بھیس کے اصول پر عمل پیرا رہنا چاہیے ۔میں نے بغیر کسی ملمع سازی کے اپنے عمل کو جائز قرار دیا بلکہ اسے اپنا استحقاق قرار دیا ۔کہنے لگا وہ لوگ اسکو بلند آواز میں سن کر محظوظ ہو رہے تھے ۔میں نے کہا کہ پندرہ منٹ کم آواز سے سننے میں انکو کوئی خاص فرق نہ پڑے گا ۔لیکن میں تو سکون سے بیٹھ سکوں گا ۔ہمارے اُٹھنے کے بعد وہ آزاد ہوں گے جتنا اونچا چاہیں سنیں ۔ٹھنڈی ہوا اور بارش کی وجہ سے جو کوفت باہر بیٹھے ہو رہی تھی اندر جاتے ہی راحت میں تبدیل ہوگئی کیونکہ ریسٹورنٹ کے اس حصے کی ساری دیواریں شیشے والی تھیں ۔سامنے جھیل کا منظر اور بارش ۔بڑی پرانی خواہش پوری ہوئی ۔شیشے کے کمرے میں بیٹھ کر بارش کا نظارہ اور سونے پر سہاگہ سامنے جھیل کا منظر۔

بارش کم ہونے پر واپسی شروع کی ۔باہر نکلتے ہی بارش پھر تیز ہوگئی ۔جیسے تیسے ٹرام سٹاپ پر آئے اور ٹرام پکڑ کر اپارٹمنٹ پہنچے ویک اینڈ کا ستیا ناس ہو چکا تھا۔ محض دیراؤ کو کے Un-predicatble رویے کی وجہ سے لیکن اچھے وقت کے ساتھی کو تھوڑی سی کوفت پہنچانے کے جرم میں ٹھکرا دینا بھی مروت سے بعید ہے اس لئے اشتیاق نے کھو کھلے قہقہے اور بے معنی باتیں

کر کے اس کو بہلانے کی کافی کامیاب کوشش کی۔اس دوران وہ اپنے واپسی کے پروگرام کا تذکرہ کر چکا تھا اس لئے اِس کٹھن وقت کو جو اگلے دن صبح دس بجے تک تھا ہنس کھیل کر گذارنے پر اتفاق کرلیا گیا۔

صبح ریلوے سٹیشن پر اسکو بغیر کسی مزید سوال و جواب کے رُخصت کرنے گیا۔سوال تو کافی تھے لیکن یہ اسلحہ سوالوں کا کسی اور کیلئے اُٹھا رکھا۔حتی الامکان خوش اخلاقی کو بروئے کار لاتے ہوئے اِسے حسب روایات مشرق رُخصت کیا۔

امکان اغلب یہی ہے کہ وہ اپنی جذباتی اُلجھن کے مداوا کیلئے اپنے کسی واقف حال سے ملنے آیا تھا جہاں سے اسکو خاطر خواہ Response نہ مل سکا اور یوں اس نے اپنی بے کیفی کا کچھ حصہ ہم کو بھی پہنچایا اگر چہ اسکے بدلے میں اُشتیاق کو ایک جھٹکہ شدہ خرگوش،مرغی، انڈے وغیرہ بطور تحفہ مل گئے۔مجھے تو شاید الرجی ان سے مستفید نہ ہونے دے۔

☆ تھا جو نا خوب ۔بتدریج وہی خوب ہوا:۔

ماحول کا اثر انسان پر ہو کر ہی رہتا ہے۔جو عادات اور خیالات برسوں میں پختہ کئے ہوتے ہیں، گردو پیش کے ماحول کو جذب کرتے ہوئے کسی مختلف ماحول میں جا کر غیر محسوس طور پر اس کے مطابق بدلنا شروع ہو جاتے ہیں، اِس صفت میں کوئی بڑی خرابی اس لئے نہیں کہ اگر یہ نہ ہو تو اچھے ماحول کو جذب کرنے کی صورت بھی نہیں بن سکے گی۔

یہاں آتے ہی سب سے پہلے جو تلاش شروع ہوئی اُشتیاق کی طرف سے وہ قصائی کی دکان کا پتہ تھا جو سوڈانی مسلمان تھا۔بڑی تگ و دو کے بعد اس قصاب کے ٹھکانے کا علم ہوا اور ذوق گوشت خوری کی تسکین کا سامان ہوا۔دو ماہ تک تو ذبیحہ کا اہتمام چلتا رہا۔پھر احتیاط میں شدت کم ہونا شروع ہوئی اور پھر **ثم الذین یلونھم**

ایک قطعہ اِسی مناسبت سے ہو گیا ایک دن جاوید صاحب کے ہاں جاتے ہوئے۔اریب بھی موجود تھے۔خوب محظوظ ہوئے۔

ماحول کے اثرات

آئے تھے جب تو پوچھتے تھے ہر کسی سے وہ
مل جائے گا حلال گوشت کس دکان سے
ماحول کے اثرات کا ہے یہ کھلا ثبوت
کھانے لگے ہیں جھٹکہ ۔ بڑے اطمینان سے

محتسب یہاں بھی ہے

اسلامک سنٹر میں ایک صاحب اِنتظامیہ کے چھوٹی چھوٹی داڑھی بمع مونچھوں کے۔چہرے پر درشتی مترشح۔توند خاصی نکلی ہوئی محتسبانہ نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لیتے پائے گئے۔کہیں کہیں روک ٹوک کرتے بھی نظر آئے۔

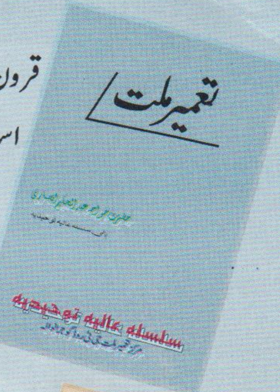
تین ملائشین باقاعدگی سے ملا کرتے تھے اور دورانِ وعظ و انتظار گاہ میں بیٹھے دھیمے لہجے میں باتیں کرتے وقت گذارا کرتے تھے۔میں بھی اکثر ان کے ساتھ بیٹھ کر انڈونیشین کا آموختہ تازہ کرلیا کرتا تھا۔ایک آدھ بار محتسب نے ٹوکا کہ آپ لوگوں کو اندر جا کر بیٹھنا چاہیے۔اس کا انداز بہرحال کچھ غیر مناسب لگتا تھا۔

آخری سے پہلے جمعہ کو جب پہنچے تو وہ ملائشین مخصوص مقام چھوڑ کر ایک اور جگہ بیٹھے تھے۔ساتھ میں ایک نیا چہرہ جس سے تعارف نہ ہوا تھا۔میں دور سے ہی ہاتھ ہلا کرا لگ بیٹھ گیا۔انکو باتیں کرتے دیکھ کر محتسب کی بے چینی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ایک چکراس ہال کا لگا کروہ ان تینوں کے قریب گیا اور منہ پر انگلی رکھ کران کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔

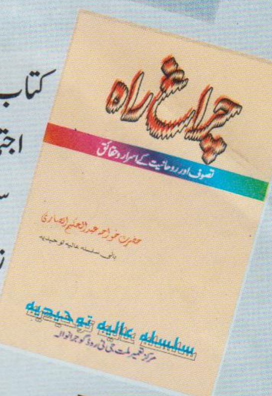
ذرا دائیں بائیں ہوا تو میں انکی طرف دیکھ کر اور وہ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اس انداز میں کہ دونوں اسکو بغیر الفاظ کے''پاگل ای اوئے'' کہہ رہے تھے۔خوشی اس بات کی ہوئی کہ ان کے ساتھ نہ بیٹھا تھا ورنہ طبیعت بے کیف ہوتی۔

☆☆☆☆☆

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



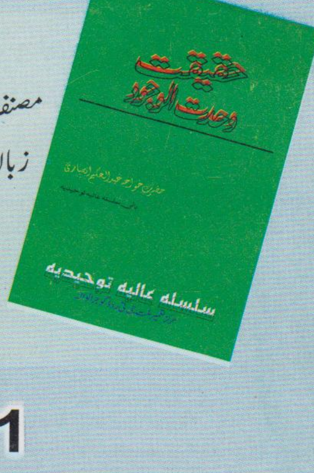
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net